ماہنامہ

خالد

احمدی نوجوانوں کیلئے

ربوہ

جنوری ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب (ولادت ۱۹۱۱ء - وفات ۱۹۹۷ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحبؒ

سوانحی خاکہ

آپ ۱۳ مارچ ۱۹۱۱ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت بُو زینب صاحبہ بنت حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے صاحبزادے تھے اور اِس طرح آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان کے سکول میں حاصل کی بعد ازاں لاہور تشریف لے آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن کی۔

قادیان میں سپورٹس یونین کلب کے صدر تھے اور فٹ بال، والی بال، باکسنگ اور اتھلیٹکس وغیرہ میں بھرپور حصہ لیا۔

۲ جولائی ۱۹۳۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی صاحبزادی محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ سے آپ کے نکاح کا اعلان فرمایا اور ۲۶ اگست ۱۹۳۴ء کو رخصتانہ عمل میں آیا۔

۱۹۴۶ء میں آپ ٹیکنیکل ٹریننگ کے سلسلہ میں انگلستان بھی تشریف لے گئے۔

تقسیمِ ملک کے دَوران آپ کو انتہائی حساس اور اہم ذمّہ داریوں کو بطریقِ احسن ادا کرنے کی سعادت ملی۔

خدماتِ دینیہ

آپ کو بھرپور خدمتِ دین کی توفیق ملی جس میں چار سال تک نائب صدر خدام الاحمدیہ اور اس کے علاوہ آٹھ سال تک خدام الاحمدیہ میں، ۱۳ سال انصار اللہ، ۲۰ سال جلسہ سالانہ کے انتظامات میں اور ۱۹۶۲ء سے لے کر تا دمِ آخر قریباً ۳۶ سال تک صدر انجمن احمدیہ میں مختلف حیثیتوں سے خدمات بجالاتے رہے۔

خدّام الاحمدیہ:- ۴۱-۱۹۴۰ء سے ۴۴-۱۹۴۳ء میں نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ نیز ۴۱-۱۹۴۰ء میں مہتمم ذہانت وصحتِ جسمانی، ۴۴-۱۹۴۳ء نگرانِ اعلیٰ شعبہ صحتِ جسمانی، ۴۵-۱۹۴۴ء مہتمم ذہانت وصحتِ جسمانی، ۴۶-۱۹۴۵ء، ۴۸-۱۹۴۷ء مہتمم کارِ خاص/مہتمم عمومی۔

انصار اللہ کے تحت آپ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء میں قائد تربیت اور ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۹ء قائد صحتِ جسمانی رہے۔ اِس طرح تیرہ سال خدمت کی توفیق ملی۔

صدر انجمن احمدیہ میں ۱۹۶۲ء میں نائب ناظر کے طور پر خدمات کا آغاز ہوا جس کے بعد

(باقی ٹائیٹل صہ۳ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 46 شمارہ 3

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ ربوہ
خالد

صلح 1377 ہش

جنوری 1998ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت۔/7 روپے ★ سالانہ۔/70 روپے

مینیجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

رسید مژدہ کہ ایام نو بہار آمد

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ شعبان کے آخری روز خطبہ ارشاد فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"اے لوگو! کل تم پر ایک بڑا عظمت والا مہینہ چڑھنے والا ہے۔ وہ بابرکت مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں ایک ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض قرار دیئے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (تہجد) کو خاص نفلی عبادت قرار دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی نفلی نیکی بجالاتا ہے تاکہ اسے قرب الٰہی نصیب ہو اس نے گویا دوسرے مہینوں میں فرض ادا کر دیا ہے اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرتا ہے اس نے گویا کہ ستر سال کے فرائض ادا کر دیئے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے۔ یہ باہمی ہمدردی کا ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے۔ جو شخص اس ماہ میں کسی روزہ دار کی افطاری کرواتا ہے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اس کی گردن جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے اور اسے روزہ دار ہی کی طرح ثواب ملتا ہے۔ ہاں روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔"

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہر ایک شخص کو یہ توفیق کہاں کہ وہ روزہ دار کی افطاری کرا سکے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔

"یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دیتا ہے جو کسی روزہ دار کی افطاری دودھ کے گھونٹ سے یا کھجور سے یا پانی کے گھونٹ سے کرواتا ہے۔ ہاں جو روزہ دار کو پوری طرح سیر کرتا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا پلائے گا کہ اسے جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہ لگے گی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔

"یہ ایسا مہینہ ہے جس کا پہلا حصہ رحمت، درمیانی مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔ اس مہینہ میں جو شخص اپنے غلام یا خادم کے کام میں تخفیف کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بخشش عطا فرمائے گا اور جہنم سے آزادی بخشے گا۔" (بیہقی)

(بحوالہ مشکوۃ المصابیح)

شمع قرآن

رمضان تنویر قلب کیلئے عمدہ مہینہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ ۱۸۶)

"یہی ایک فقرہ ہے جس سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں صلوۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم (روزہ) تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جاوے اور تجلی قلب سے یہ مراد ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لیوے۔ پس اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ میں یہی اشارہ ہے اس میں شک و شبہ کوئی نہیں ہے روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں۔ .... خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں ایک عبادات۔ مالی دوسرے بدنی عبادات مالی تو اسی کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جس کے پاس نہیں وہ معذور ہیں اور عبادات بدنی کو بھی انسان عالم جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ ۶۰ سال جب گذرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں۔ نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آجاتا ہے۔ یہ ٹھیک کہا کہ پیری و صد عیب اور جو کچھ انسان جوانی میں کرلیتا ہے اسی کی برکت بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

موئے سفید از اجل آرد پیام

انسان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجالاوے۔ روزہ کے بارے میں خدا فرماتا ہے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔"

(البدر جلد ۱ نمبر ۷ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ صفحہ ۵۲) (ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جلد نمبر ۲ طبع جدید صفحہ ۵۶۱ - ۵۶۳)

عرفان حدیث (14)　ازافاضات حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

رمضان کے تقاضے

(مرتبہ:۔ عبدالسمیع خان صاحب)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ (صحیح بخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ دار جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے اجتناب نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو روزہ دار جھوٹی بات اور غلط کام نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے چھوڑے نہ چھوڑے جو مرضی کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس نے میری خاطر کھانا چھوڑ دیا اور پانی پینا بند کر دیا۔ جو چھوڑنے والی باتیں ہیں وہ یہ ہیں حقیقت میں اور جو چھڑائی جا رہی ہیں وہ تو جائز باتیں ہیں وہ تو عارضی طور پر بد باتوں کو چھڑانے کیلئے آپ کو ایک ورزش کروائی جا رہی ہے۔ تو عجیب بات ہے کہ لوگ وہ باتیں جو حلال ہیں اور جائز ہیں وہ تو چھوڑ دیتے ہیں روزوں میں اور جو حرام ہیں وہ نہیں چھوڑتے اور بڑی بھاری تعداد ایسے بے وقوفوں کی ہے اور اگر آپ اپنے آپ کا جائزہ لیں تو اس بے وقوفی میں کسی نہ کسی حد تک تقریباً ہر انسان ہی مبتلا رہتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں چھوٹے گناہ کرتا رہتا ہے لغویات میں مصروف رہتا ہے۔

پس روزے رکھنے میں جو جائز چیزوں کو چھوڑنا ہے اس میں یہ سبق ہے کہ جائز چھوڑ رہے ہو خدا کا خوف کرو ناجائز کی جرات کیسے کرو گے اللہ کی خاطر تم کہتے ہو کہ ہمیں ایسا پیار ہے خدا سے اس کی خاطر حلال چیزیں چھوڑنے پر آمادہ بیٹھے ہیں اور حرام نہیں چھوڑ سکتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اس کے روزے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ پس خصوصیت سے جھوٹی بات سے پرہیز یہ ایک بہت ہی اہم اور عظیم نصیحت ہے اگر وہ لوگ جن کو جھوٹ کی عادت ہے اور بسا اوقات وہ جھوٹ بولتے ہیں ان کو پتہ بھی نہیں لگ رہا ہوتا کہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن کبھی کبھی یاد بھی آ جاتا ہے کہ ہاں ہم جھوٹے ہیں اگر خود وہ سوچیں تو پھر ان کو جھوٹ دور کرنے کی طرف توجہ پیدا ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا کہے تو نہ صرف یہ کہ مانتے نہیں بلکہ غصہ کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک دفعہ ہمارے ہاسٹل میں ایک لڑکا ہوا کرتا تھا وہ جھوٹا مشہور تھا اور اس سے میں نے بات کی تو کہتا ہے کہ "خدا دی قسم اے میں تے کدی وی جھوٹ نہیں بولیا" کہ لو جی "لو جی" بھی بہت کہنے کی عادت تھی کہ لو یہ کیا بات ہوئی۔ میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور وہ جھوٹ بول رہا تھا کیونکہ ہر وقت جھوٹ بولتا تھا تو بعض لوگوں کو پتہ نہیں لگتا۔ لیکن سب سے مہلک بیماری جھوٹ ہے ہر نیکی کو کھا جاتی ہے یہ وہ تیزاب ہے جس سے سونا بھی پگھل جاتا ہے۔ "ایکوا ریجا" اس تیزاب کو کہتے ہیں جس سے سونا بھی نہیں بچتا تو یہ تو ہر نیکی کو کھا جانے والا تیزاب ہے اس سے بچنے کی کوشش کریں اور اپنے گھروں کو خصوصیت سے سچائی کی آماجگاہ بنائیں۔ اپنی بیویوں پر اپنے بچوں پر نظر رکھیں اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو بیوی کو چاہئے کہ وہ آپ پر نظر رکھے۔ بچے میری آواز سن رہے ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ آج کل احمدی بچوں کو بہت زیادہ

شوق ہے اپنے بڑوں کی تربیت کرنے کا۔ وہ جو بات سن لیتے ہیں معصومیت سے اسے پلے باندھ لیتے ہیں اور پھر بڑے کو کرتے دیکھتے ہیں کہتے ہیں دیکھو دیکھو ہم لکھ دیں گے حضرت صاحب کو کہ تم یہ کیا کر رہے ہو اور کئی ماں باپ مجھے لکھتے ہیں کہ ہمیں بڑا لطف آیا بات سن کر۔ ان کی نصیحتیں ان کو پیاری بھی لگتی ہیں اور ان کے دل پر اثر بھی کرتی ہیں۔ اگر محلے والا کوئی آ کے کہتا تو شاید اس پر مرنے مارنے پر یا لڑنے پر آمادہ ہو جاتے۔

پس بچوں کو میں کہہ رہا ہوں جو میرے مخاطب ہیں میرے سامنے ٹیلی ویژن پر بیٹھے ہوں گے وہ تیار ہو جائیں مربی بننے کیلئے، مگر گستاخی نہ کریں، ماں باپ آپ کے بڑے ہیں ان سے تن کر نہ بولنا۔ ادب اور پیار سے ان کو سمجھائیں تو انشاء اللہ آپ کی باتوں کا نیک اثر پڑے گا۔ یہ جو آپ نے محاورہ سن رکھا ہے کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے تو اے احمدی بچو تم وہ پھول کی پتیاں ہو جن سے سخت جگر بھی کٹ سکتے ہیں۔ اگر پیار سے اللہ کی خاطر، ہمدردی سے، اپنے بڑوں کو نصیحت کرو گے تو دیکھنا انشاء اللہ ان کے دل پر اس کا کیسا گہرا اثر پڑے گا۔ تو تم بھی نگران بن جاؤ اور اپنے گھروں میں جھوٹ کو داخل ہونے کی اجازت نہ دو اور جو داخل ہوئے ہیں ان کو دھکے دے دے کر باہر نکال دو۔ وہ جماعت جو جھوٹ سے پاک ہو جائے اور اس زمانے میں جب کہ جھوٹ نے ساری انسانی زندگی پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کی بقا کی آسمان ضمانت دے گا خدا ضمانت دے گا۔ کوئی دنیا کی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گی اگر آپ سچے ہو جائیں۔" (خطبہ جمعہ ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء الفضل انٹرنیشنل ۱۱ مارچ ۱۹۹۴ء)

15 عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ
(مسلم کتاب الصیام باب فضل الصیام)

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے ڈھال ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"ڈھال وہ چیز ہے جس سے ہر قسم کے خطروں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ پس روزے کی پناہ میں آ جاؤ تو ہر قسم کے فساد ہر قسم کے خطروں سے بچ جاؤ گے۔ لیکن اگر روزہ رکھا ہو اور منہ پر وہی پہلے کی طرح لغو باتیں یا گالی گلوچ یا اشتعال انگیز باتیں کرنا اور اشتعال انگیز باتوں کے جواب میں بے قابو ہو جانا یہ ادائیں پہلی کی سی اگر جاری ہیں تو اس روزے کا کیا فائدہ؟ ایسا روزہ محض بھوک کی سزا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں رہتی۔

آج صبح جب پاکستان کی خبروں سے متعلق جنگ اخبار دیکھا تو اس امید سے دیکھا کہ شاید اب یہ خبر مل جائے کہ رمضان کے مہینے میں کوئی قتل و غارت نہیں ہوگا۔ کوئی فساد نہیں ہوگا۔ پاکستان کی گلیوں میں کم سے کم کچھ عرصے کیلئے تو امن آ جائے گا اور اس خوف سے دیکھا کہ کہیں یہ میری امید جھوٹ ہی نہ نکلے تو خوف سچا نکلا اور امید جھوٹی نکلی۔ کیونکہ اخبار اسی طرح گناہوں کی خبروں سے کالا ہوا پڑا ہے۔ ہر قسم کے فساد کی خبریں موجود ہیں اور رمضان شریف کے احترام کے ذکر شاید مسجدوں میں ملتے ہوں مگر پاکستان کی گلیاں، پاکستان کے گھر، پاکستان کے بازار، پاکستان کے دن، پاکستان کی راتیں اس رمضان سے بے خبر ہیں جس رمضان کا ذکر میں حضور اکرم ﷺ کی زبان سے آپ کے سامنے کر رہا ہوں۔ کسی بے چارے کو وہ ڈھال ہی میسر نہیں۔ ایک ہی شہر میں ایک خاندان کو اس طرح ذبح کر دیا جاتا ہے۔ آج ہی کی خبر میں تھا کہ ایک شخص نے جو اپنی فیکٹری میں سویا ہوا تھا وہ روزے کی نیت سے گھر گیا تو بیوی نے کہا کہ سوئی گیس بند ہو گئی ہے اس لئے روٹی نہیں پکا سکی۔ وہ واپس اپنی فیکٹری کی طرف گیا کہ شاید کچھ بازار سے چیز لے کے کھائے لیکن اس کے بعد دیکھا نہیں گیا۔ تو دوسرے دن جب پتہ چلا کہ وہ چور یا ڈاکو یا اس کے دشمن اس وقت آئے ہیں جب کہ سحری کا وقت تھا اور پہلے اس کو وہاں ذبح کیا پھر اس کو گھسیٹ کر باہر لائے اس کے اپنے دفتر کا سامان ٹیلی ویژن وغیرہ کا الاؤ لگایا اور اس آگ میں

اس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ جہنم کا دروازہ بند ہے یا کھلا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ پس جہنم کا دروازہ کھل بھی جاتا ہے اور اس طرح بھڑک بھی اٹھتا ہے مگر ان لوگوں کیلئے جو آنحضرت ﷺ اور قرآن کے احکامات کے دائرے سے باہر زندگی بسر کرتے ہیں۔"

(از خطبہ جمعہ ۲۶ جنوری ۹۶ء الفضل انٹرنیشنل ۱۵ مارچ ۹۶)

(16) حکمت مومن کی متاع ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی کتاب العلم: باب فضل الفقہ علی العبادۃ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حکمت کا کلمہ مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں بھی وہ اسے پائے تو وہی یعنی مومن ہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

تشریح:۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز آیت قرآنی یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (جمعہ ۳) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یعلمھم الکتاب والحکمۃ" میں علم کے ساتھ حکمت کو جو باندھا گیا ہے اس تعلق میں یہ حکمت والی حدیث میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ "اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ" حکمت کی بات تو مومن کو یوں لگتا ہے کہ میری ہی گمشدہ چیز تھی۔ جیسے گمشدہ اونٹنی کسی کی مل جائے تو کوئی دینے والا، کوئی دکھانے والا اس لینے والے مالک کی راہ میں اور اونٹنی کی راہ میں حائل نہیں ہوا کرتا۔ کوئی مالک یہ سوچ کر شرم محسوس نہیں کرتا کہ میری اونٹنی گمی ہوئی تھی فلاں بدو نے دکھائی ہے اس لئے میں نہیں لوں گا۔ وہ اپنا مال سمجھ کے لے لیتا ہے۔

پس حکمت تو مومن کی شان ہے۔ یہ بہت ہی پیارا کلام ہے اور مومنوں کو ایک عظیم خراج ہے ان کی صفات حسنہ کا، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں سے توقع رکھتے ہیں کہ جیسا مجھے علم و حکمت سکھانے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور فرمایا گیا ہے تم لوگ حکمت کی ایسی قدر کرنے والے ہو یا خدا کے نزدیک تمہارا یہ مقام ہے کہ حکمت کی ایسی قدر کرو کہ گویا وہ تمہارے گھر کی چیز تھی اور جہاں بھی دکھائی دے اسے قبول کرو۔ بہت ہی گہرا مضمون ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ ایک طرف تو مومنوں کے رجحان کے اوپر اس سے بہتر تعریفی کلمات نہیں ہو سکتے تھے کہ حکمت تو ان کی اپنی چیز ہے۔ انہی کو حکمت کی باتیں کرنی چاہئیں، انہی کو حکمت سونپی گئی ہے۔ ان کو آج زمانے میں حکمت کا مالک بنایا گیا ہے اور ساتھ یہ فرمایا کہ جہاں کہیں بھی حکمت ملے بتانے والا اگر حقیر بھی دکھائی دے، غیر بھی دکھائی دے، دشمن بھی ہو تو حکمت تمہاری چیز ہے اسے قبول کرو۔

بعض لوگ کہتے ہیں جی فلاں سے یہ بات آئی ہے ہم نہیں لیتے اور چھوٹے آدمی نے بات کردی ہے تو وہ برا مناتے ہیں۔ علم کے حصول میں اور حکمت کے حصول میں برا منانے کا مضمون داخل ہی نہیں ہے۔ یہ وہ ڈکشنری ہے جس میں یہ لفظ نہیں ملتا۔ علم بھی اور حکمت بھی۔ مومن کی ساری زندگی کا ایک پیشہ ہے اس کا۔ یا زندگی کا ایک اٹوٹ انگ ہے، زندگی کے اجزاء میں داخل ہے اس لئے کسی لمحہ بھی وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتا اور یہ خیال کہ کسی زمانے میں ہم طالب علم تھے اب عالم بن گئے ہیں اور معلم بن گئے ہیں اس خیال کو یہ تمام احادیث باطل قرار دے رہی ہیں

جو ہر مومن کو متعلم کے طور پر پیش کر رہی ہیں اور متعلم بناتی ہیں اور پھر معلم بناتی ہیں تو گویا آنحضرت ﷺ کے نزدیک مومن کا علم کے حصول کا سفر آخری لمحے تک جاری ہے کیونکہ اگر آخری لمحہ بھی اس کا مومن ہونے کا لمحہ ہے اور اس کے بغیر اس کا سارا ایمان ضائع ہو جائے گا تو وہ بھی حصول علم کا ہی ایک لمحہ ہے۔ پس علم سے کسی وقت بھی مومن کو اس طرح چھٹکارا نہیں ہو سکتا کہ میں اب عالم بن گیا ہوں بالکل بے وقوفوں والی بات ہے۔

مجھے بارہا یہ تجربہ ہوتا ہے۔ بعض غلطیاں ہوتی ہیں اردو کے تلفظ میں بھی انگریزی کے تلفظ میں بھی۔ بعض الفاظ میں بعض دفعہ قرآن کریم کی تلاوت میں زیر زبر کی غلطی ہو جاتی ہے تو بعض احمدی بڑی معذرت سے خط لکھتے ہیں اور جب وہ معذرت شروع ہوتی ہے مجھے سمجھ آجاتی ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے حالانکہ معذرت کا کیا سوال وہ تو محسن ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس کی عزت کرو۔ تو معذرت کیسی؟ ایک طرف احسان کرتے ہو دوسری طرف معذرتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم سیکھنے کا دور ایک دائمی دور ہے۔

میرے ساتھ ریسرچ گروپ والے یہاں کے تعلیم یافتہ، یہاں کے جمے پلے بچے اور بچیاں بیٹھتے ہیں کلاس میں۔ کبھی میں ان کی تصحیح کرتا ہوں کبھی وہ میری تصحیح کرتے ہیں۔ پھر ہم ڈکشنریاں دیکھتے ہیں اور بڑا لطف آتا ہے۔ جس کی تصحیح ہو رہی ہو وہ بھی لطف اٹھاتا ہے جو تصحیح کرتا ہے اس کو بھی ایک مزا آرہا ہوتا ہے تو معذرتوں کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہ اسلوب سکھلا دیا ہے اور اس سے باہر کوئی شخص نہیں ہے کہ علم سیکھنا تمہاری ذمہ داری ہے اور جو علم کی بات تمہیں بتاتا ہے اس پر غصہ نہیں کرنا۔ اس کے ساتھ عجز کا سلوک کرو، انکساری سے بات کرو، ہاں ہاں جزاک اللہ آپ نے ٹھیک کر دیا اور ساتھ ہی یہ یاد رکھو کہ حکمت کی بات تو تمہاری لونڈی ہے تمہارے گھر کی چیز ہے۔ ویسے بھی شرمندگی کی کوئی بات نہیں تمہیں اس پر ایسا حق ہے جیسے خدا نے تمہیں دے دیا ہے۔ پھر کہیں سے ملے اسے قبول کرو۔

اور اسی ضمن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ در حقیقت اس خط کے بعد جب میں نے اپنے گذشتہ حالات پر غور کیا تو مجھے پتہ چلا یعنی پتہ تو پہلے ہی تھا لیکن نمایاں طور پر یہ بات ایسی سامنے آئی جو میں نے کہا میں آپ کو بھی بتاؤں کہ جو میرا طالب علمی کا زمانہ تھا تو وہ در اصل طالب علمی کا تھا ہی نہیں وہ تو سیر و تفریح اور اپنی مرضی کی کتابیں پڑھنا اور اپنے شوق پورے کرنے کا زمانہ تھا۔ سکول تو ایک مصیبت تھی۔ میرا تو طالب علمی کا زمانہ سکول سے فارغ ہونے کے بعد یا کالج سے فارغ ہونے کے بعد شروع ہوا ہے اور اصل میں طالب علم میں خلیفہ بننے کے بعد بنا ہوں۔ ساری جماعت اللہ کے فضل سے میری معلم ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ وسیلے مجھے عطا فرمائے اور میں جو ان کو دیتا ہوں آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے مطابق علم حاصل کرتا ہوں اور علم دیتا ہوں۔ دونوں طرف برابر کا رشتہ ہے۔ سوائے ان باتوں کے جو خدا خاص طور پر سکھلاتا ہے وہ ایک الگ مضمون ہے جس میں بندے کا بیچ میں دخل نہیں ہوتا غیب سے اللہ تعالیٰ مضامین عطا فرماتا ہے، دلوں میں ڈالتا ہے اور اس قوت کے ساتھ وہ مضامین نازل ہوتے ہیں کہ اس میں کسی انسانی تعلیم کا اس کی کوشش کا یا طالب علم کے اپنے کسی علمی نور کا دخل نہیں ہوتا تو اس کے سوا جو روزمرہ کے دستور ہیں ان میں کوئی انسان بھی علم سیکھنے سے بالا نہیں ہے۔

اور جہاں تک دنیاوی علوم کا تعلق ہے ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کے متعلق قطعی پکی پختہ روایت ہے کہ کھجور لگانے والوں کی ایک غلطی آپ نے دیکھی۔ (ایک دفعہ میں نے غلطی سے کہا تھا کہ پنیری ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہے تھے۔ یہ وہ غلطی نہیں تھی کچھ اور تھی۔ مجھے بعد میں بتایا گیا مگر) لگانے والوں کو آپ نے دیکھا کہ شاید وہ غلط کر رہے ہیں اور اس پر ان کو سمجھایا کہ کیا ضرورت ہے اس کو چھیڑنے کی اس کو یونہی رہنے دو اور وہ چونکہ قریب قریب درخت تھے وہ فصل مرگئی۔ بعد میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ آپ نے تو فرمایا تھا اور ہم نے آپ کے علم اور بات کے تقدس میں ویسا ہی کیا اور ہمارے سارے درخت ضائع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے دین سکھانے کے لئے بھیجا ہے، ایگریکلچر سکھانے کے لئے تو نہیں بھیجا کہ زراعت سکھاؤں تم لوگوں کو۔ لیکن اس کے باوجود یہ تو رسول اللہ ﷺ کے انکسار کا ایک عظیم الشان مظہر تھا لیکن آپ نے ہمیں سب کچھ سکھایا ہے۔ خدا گواہ ہے اپنی ساری زندگی پر نظر ڈالتا ہوں قدم قدم پر ہر علم میں ہر معاملے میں حضرت محمد رسول اللہ کی محتاجی محسوس ہوتی ہے۔ کون سا علم ہے جو نہیں سکھایا۔ کھانے پینے کے آداب تو سکھائے۔ روزمرہ کے ملنے جلنے اٹھنے بیٹھنے، صحت کے آداب۔ پس

یہ مطلب اس حدیث کا نہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف دین سکھانے آئے تھے۔ وہ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ علم کے لحاظ سے گنجائش موجود ہے وہ جو خدا سے سیکھتا ہے وہ بھی ایک طالب علم ہی رہتا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے جب یہ کہا تو یہ انکساری کی انتہا تھی ورنہ فن حرب آپ نے سکھایا، فن کلام سکھایا، کون کون سے دنیا کے علوم تھے جو نہیں سکھائے۔ طبابت سکھائی اور بہت ہی عظیم رسول تھے کہ جن کا دائرہ فیض ہر انسانی ضرورت کے دائرے پر پھیلا ہوا تھا۔

پس یہ بھی بعض دفعہ علماء یہ حدیث پیش کر کے کہتے ہیں دیکھو رسول اللہ ﷺ کو زراعت کا علم نہیں تھا۔ یہ غلط ہے۔ زراعت کا ویسے علم نہیں تھا مگر اصول زراعت اور جو بنیادی باتیں ہیں اس کی وہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائے اور قرآن کریم میں درج تھے اور آپؐ نے بیان فرمانے ہی تھے۔ زراعت کے وہ امور جو بنیادی اصولوں کے طور پر ہماری راہنمائی کرتے ہیں قرآن میں موجود ہیں اور آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں اس تعلق میں ہمیشہ ایک جاری فیض کا دریا بنی رہیں گی۔ پس علم حاصل کرنا اور علم حاصل کرنے سے نہ شرمانا اور علم کے حصول پر زور دینا اور علم سکھانے پر زور دینا اس لئے ہماری زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ایک اٹوٹ حصہ تھا۔ آپؐ کے مقاصد کا ایک کبھی الگ نہ ہونے والا حصہ تھا جو ساری زندگی ایسا فرض تھا جو ہمیشہ آپؐ نے ادا فرمایا اور بہترین طریق پر ادا فرمایا ہے"۔

(خطبہ جمعہ ۱۰ فروری ۹۵ء: مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل: ۲۴ مارچ ۹۵ء)

علم کا نشہ (17)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

○ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ (شعب الایمان: بیہقی جلد نمبر ۲: صفحہ ۲۵۳: حدیث ۱۶۶۳: دار الکتب العلمیہ بیروت: طبع اول: ۱۹۹۰ء)

ترجمہ: علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔

○ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَدْيَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ (الموضوعات الکبیر: صفحہ ۴۸: از ملا علی قاری: مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۵ھ)

ترجمہ:۔ علم کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ادیان کا علم اور ابدان کا علم۔

تشریح:۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایم ٹی اے کے لئے متنوع علمی پروگراموں کی تیاری کے بارہ میں ہدایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"علم کے بڑھنے کا جو لطف ہے اگر کسی کو یہ عادت پڑ جائے تو یہ عادت ایسی ہے جو چھٹ نہیں سکتی۔ سب سے بڑا نشہ یہ ہے۔ تبھی صاحب علم لوگ دنیا کی لذتوں کے محتاج ہی نہیں رہتے۔ ایسے سائنس دان ہیں جو صبح پو پھٹنے سے پہلے اپنی لیبارٹریز میں پہنچتے ہیں اور رات کا بارہ کا گھنٹہ وہ اپنی لیبارٹریز میں سنتے ہیں اور ان کے ذکر محفوظ ہیں۔ ان کو سوائے اس علم کے جس کی ان کو جستجو دل میں ایک لگن کے طور پر لگ گئی کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہتی۔ نیوٹن کا بھی یہی حال تھا۔ دوسرے بڑے بڑے سائنس دان جنھوں نے ایجادات کی ہیں اور ہمیشہ کے لئے علم کی دنیا میں ان کا نام سنہری حروف سے لکھا گیا، انمٹ حروف سے لکھا گیا ان کا مطالعہ کریں ان کو کوئی مجبوری نہیں تھی کہ وہ اتنا وقت اپنے خاندان سے کٹ کر اپنے کاموں میں لگائیں۔ مجبوری صرف یہ تھی کہ علم میں ایک نشہ ہے۔ علم میں ایک ایسی لذت ہے جس سے انسان کے اندر وسعتیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ جو انا کا ایک مطالبہ ہے کہ میں پھیلوں علم اسے عطا کرتا ہے اور اعلیٰ رنگ میں عطا کرتا ہے۔ ایک انا کا مطالبہ ہے کہ میں پھیلوں وہ سیاست کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔ خدا کے بندوں پر حکومت کے ذریعے پورا ہوتا ہے اور اکثر اس صورت میں ظلم کرتا ہے انسان، اکثر حق تلفی کرتا ہے اور سیاست کے ذریعے جو اپنی قوت اور اپنی انا کو پھیلانے کا مضمون ہے یہ نقصانات سے خالی نہیں ہے بلکہ اکثر اس کے نقصانات اس کے فوائد سے بہت زیادہ ہیں اور علم ایک ایسی چیز ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ تبھی آنحضور ﷺ نے سیاسی رسوخ کے ذریعے اپنی شخصیت بڑھانے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا

لیکن علم کے متعلق فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ چین بھی جانا پڑے۔ اس زمانے میں چین عرب سے بعید ترین جگہ تھی۔ اس سے زیادہ بعد کا تصور نہیں باندھا جاسکتا تھا۔ چین کی مسافت بھی طے کرنی پڑے تو وہاں بھی جاؤ اور علم سیکھو۔

تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ علم میں اپنی ذات میں ایک ایسی کشش ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کی شخصیت پھیلتی ہے اور اس کا فائدہ لوگوں کو پہنچتا ہے، نقصان کوئی نہیں اور علم کی لذت دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس سے کردار کی عظمت بھی پیدا ہوتی ہے۔ صاحب علم میں از خود ایک کردار کی عظمت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی ذات میں غنی بنتا چلا جاتا ہے۔ یعنی لوگوں کا ہمدرد ہو بھی تو لوگوں کی ستائش سے بالا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کو پھر اس کی پرواہ نہیں رہتی کہ کوئی دیکھتا ہے مجھے کہ نہیں دیکھتا۔ کسی کو میں اچھا لگ رہا ہوں یا بد لگ رہا ہوں تو علم کا نشہ ہے اس میں وہ اپنی مصروف زندگی کے وقت گزار تا ہے۔ تو ایم۔ٹی۔اے علم کی طاقت سے دنیا کے دلوں پر قبضہ کرے گا اور وہ علوم جو دین کے بھی ہیں اور دنیا کے بھی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو علم کی تعریف فرمائی کہ "العلم علمان علم الادیان و علم الابدان" میرے ذہن میں جو ایم۔ٹی۔اے کا تصور ہے وہ بعینہٖ اس تعریف کے مطابق ہے کہ علم الادیان بھی ہم لوگوں تک پہنچائیں اور علم الابدان بھی پہنچائیں۔

علم الابدان کا جو یہ ترجمہ کیا جاتا ہے کہ صحت کا علم یہ غلط تو نہیں مگر یہی ترجمہ نہیں ہے۔ ابدان سے مراد سائنس کا علم ہے Matter کا علم۔ اور دو ہی چیزیں ہیں یا خدا نے روحانی دینی کائنات پیدا فرمائی یا مادی جسمانی کائنات پیدا فرمائی تو آنحضورؐ نے فرمایا کہ باقی جو کہانیاں اور قسم کے شعرو شاعری کے قصے ہیں یہ تو ایک غیر حقیقی قسم کا علم ہے۔ اصل علم وہ ہے جو سچا ہو۔ علم الادیان بھی سچا علم ہے اور علم الابدان بھی سچا علم ہے۔ جہاں مادے کی حرکتیں اور اس کی صفات، اس کے آپس کے تعلقات، ایک دوسرے سے مل کر وہ کیا نئی صفات پیدا کرتے ہیں، جہاں یہ مضمون چلے یہ علم الابدان ہے اور اس پہلو سے سائنس کی ترقی مسلمانوں سے بطور خاص وابستہ ہونی چاہئے کیونکہ کوئی دنیا کا نبی ایسا نہیں جس نے اپنی قوم کو علم کے متعلق ایسی اعلیٰ صفت، ایسی اعلیٰ تعریف میں متوجہ فرمایا ہو۔ اس سے بہتر تعریف علم کی ممکن نہیں اور متوجہ فرمایا کہ یہ تمہاری زندگی کے مشاغل ہیں۔ تمہیں یا علم ادیان حاصل کرنا ہے یا علم ابدان حاصل کرنا ہے۔" (خطبہ جمعہ ۱۲ جولائی ۹۶ء: مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۳۰ اگست ۹۶ء)

ماہنامہ خالد ربوہ (دسمبر ۱۹۹۷ء)

کے خریداران مطلع رہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ماہ دسمبر ۱۹۹۷ء کا ماہنامہ خالد جو ڈاکٹر عبدالسلام نمبر ہے شائع ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ خریداران کو اپنی مجالس کے قائدین کے ذریعہ ملے گا۔

قائدینِ مجالس اپنے اپنے ضلع کے قائدین سے اس سلسلہ میں رابطہ کر کے رسائل حاصل کر لیں کیونکہ قائدینِ اضلاع کو یہ رسائل بھجوائے جا چکے ہیں۔

(مینیجر ماہنامہ خالد ربوہ)

ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان ربوہ کے چندہ میں اضافہ

ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان کے خریداران اور ایجنٹ صاحبان مطلع رہیں کہ یکم جنوری ۱۹۹۸ء سے ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان ربوہ کا سالانہ چندہ ۷۰/- روپے اور ماہوار قیمت ۷/- روپے فی پرچہ مقرر کی گئی ہے۔

خریداران و ایجنٹ حضرات سے حسبِ سابق تعاون کی درخواست ہے۔

(مینیجر ماہنامہ خالد و ماہنامہ تشحیذ الاذہان ربوہ)

کلام الامام ـ امام الکلام

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"سو اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو۔ آسمان پر تم اس وقت میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورا کرو۔ ہر ایک جو زکوۃ کے لائق ہے وہ زکوۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی امر مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہو۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہو گی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہو گا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ نیک عمل دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۹: کشتی نوح صفحہ ۱۵)

ایام نو بہار ۔ رمضان المبارک

روزوں کی اہمیت و فرضیت اور برکات و مسائل کا تذکرہ

(تحریر و ترتیب:۔ سید مبشر احمد ایاز ۔ مدیر خالد)

اہل لغت کہتے ہیں اس ماہ کا نام رمضان اس لئے پڑ گیا ہے کہ پہلی بار جب روزے فرض ہوئے تو یہ موسم گرما میں آیا تھا لیکن اس کا حقیقی مفہوم اس سے کہیں بلند تر ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا سُمِّيَ رَمَضَانَ لِاَنَّ الذُّنُوْبَ تَرْمَضُ فِيْهِ کہ اس ماہ کا نام رمضان اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں گناہ جل جاتے ہیں اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

انما سمی رمضان لِاَنَّ رَمَضَانَ تَرْمِضُ الذُّنُوْبَ کہ رمضان کا نام رمضان اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ (جامع الصغیر)

پھر رمضان کے معنی اس روحانی حرارت کے بھی ہیں جو روزوں کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود فرماتے ہیں۔

"رمضان سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کیلئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۰۹)

رمضان قرآن کریم کے نزول کیلئے خاص کیا گیا ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم اتارا گیا ہے یعنی رمضان المبارک کے روزوں کی اس قدر اہمیت ہے کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں خاص طور پر احکام نازل کئے گئے ہیں۔ جس حکم کے بارے میں قرآنی وحی نازل ہوئی ہو اس کے متعلق ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کتنا اہم اور ضروری ہوگا۔ (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۳۹۴)

احادیث نبویہ سے فضائل رمضان

سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے نہ صرف رمضان کے فضائل، اس کی اہمیت اور رمضان سے استفادہ کے نہایت قیمتی گر بتائے ہیں بلکہ ان نتائج اور ثمرات کا بھی حسین نقشہ کھینچا ہے جو رمضان سے وابستہ ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام رمضان بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ جس طرح اللہ تعالیٰ کی باقی تمام صفات کے مظہراتم بنے اسی طرح رمضان کی اپنے قول و عمل سے آپ نے جو تصویر پیش کی اس میں بھی آپ کل انبیاء میں منفرد و افضل اور لاشریک ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور حرمت میں سب سے بڑا اور عظیم ذوالحجہ ہے۔ (الترغیب و الترھیب)

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا اور اسے تمام مہینوں سے افضل قرار دیا اور فرمایا جو شخص اس مہینہ میں حالت ایمان میں ثواب اور احتساب سے عبادت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا۔

(نسائی کتاب الصوم)

یہ ماہ کیسی عظیم الشان برکتیں اپنے دامن میں لئے ہوئے آتا ہے اور کن مصائب سے بچاتا ہے اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب رمضان آتا ہے۔ جنت کے دروازے

کھولے جاتے ہیں اور جہنم کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی کے چاہنے والے آ اور آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے رک جا اور اللہ کیلئے بہت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں اور رمضان کی ہر ایک رات کو ایسا ہوتا ہے۔ (ترمذی)

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس حدیث کی لطیف تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سوال یہ ہے کہ خواہ وہ آسمان کے دروازے ہوں یا جنت کے ان دروازوں سے کیا مراد ہے اور جو دروازے بند کئے جاتے ہیں وہ جہنم کے کونسے دروازے ہیں اور کس قسم کی زنجیریں ہیں جن میں شیطان جکڑا جاتا ہے ایک بات تو قطعی ہے کہ اس کے عمومی معنی درست نہیں کیونکہ جہاں تک رمضان کے مہینے کا تعلق ہے اس مہینہ میں دنیا کی بھاری اکثریت پہلے کی طرح فسق و فجور میں مبتلا رہتی ہے اور رمضان کی قطعاً پرواہ نہیں کرتی۔ پس یہ کہنا کہ اس مہینہ میں شیطان جکڑا جاتا ہے یا رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں...... یہ دراصل حدیث کے مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ فرمایا اذ دخل شھر رمضان "کہ جب شہر رمضان داخل ہو جاتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ بالعموم ساری دنیا پر برکتیں لے کر آتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ وہاں برکتیں لے کر آتا ہے جہاں جہاں وہ داخل ہوتا ہے۔ اور جس انسان کے وجود میں رمضان کا مہینہ داخل ہو جائے گا اس کے جہان میں نیک تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یعنی وہ انسان جو اپنے آپ کو رمضان کے تابع کر دے گا تو گویا رمضان المبارک اپنی ساری برکتوں کے ساتھ اس انسان میں داخل ہو گا۔ ایسے انسان کے جہان میں جو بھی جنت کے دروازے ہیں وہ سارے کھل جائیں گے اور جہنم کے جتنے دروازے ہیں بند کر دیئے جائیں گے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ مئی ۱۹۸۶ء)

روزہ کی جزا

ہر کام اپنے نتیجے اور انجام کے مطابق اہمیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی روزہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے اور روزہ کی عبادت تو خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا یا میں خود اس کا بدلہ ہوں اور روزہ آگ سے بچانے کے لئے ڈھال ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی ابواب الصوم)

روزہ کے بدلہ کا اس روایت میں کیسا لطیف تصور پیش کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایک بندہ ایک دن کا روزہ اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے رکھے پھر اسے زمین کے برابر سونا دیا جائے تو حساب کے دن اس کے ثواب کے برابر نہیں ہو گا۔ (الترغیب والترھیب)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا روزہ کو لازم پکڑلو کیونکہ یہ وہ عمل ہے جس کا کوئی مثل اور بدل نہیں۔ کہتے ہیں پھر ابوامامہؓ کے گھر دن کو کبھی دھواں نہیں دیکھا گیا سوائے اس کے کہ ان کے ہاں کوئی مہمان آجاتا۔ (الترغیب والترھیب)

رمضان کے مبارک مہینے کو عبادتوں سے ایک خاص تعلق ہے۔ بلکہ عبادتوں کی معراج اگر رمضان کو کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہے۔ اور روزہ تو عبادتوں کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزے ہیں" (جامع الصغیر)

انہی عبادات کے نتیجہ میں اللہ کے فضل سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کا لقا نصیب ہوتا ہے جو روزے کا اصل مقصد اور انسانی پیدائش کا بھی اصل مقصد ہے اور پھر کیا ہی اچھا ہو رمضان کے نقوش بجالانے والی یہ عبادات ایسے گہرے نقوش پیدا کر جائیں اور عبادات کی ایسی عادتیں راسخ ہو جائیں کہ سارا سال نقوش کا یہ جشن جاری رہے اور آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث اپنی پوری شان میں ہماری زندگیوں میں جلوہ گر ہو کہ جس میں آنحضور ﷺ نے فرمایا "ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے

گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ بن جاتا ہے" اور دار قطنی کی ایک حدیث ہے کہ

اِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَۃُ کہ جب رمضان سلامتی سے گزر جائے تو سمجھو کہ سارا سال سلامت ہے۔

پس اس سارے سال کی سلامتی کو اپنے حق کیلئے محفوظ کریں اور رمضان کو اس کے مطابق گزاریں جس طرح کہ حق ہے۔ رمضان کی عبادتوں کو ان کی شرائط کے مطابق بجالائیں۔ اب ایسی عبادتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اجتماعی رنگ بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اور یہ اجتماع نقوش بھی ہے کہ ایک ہی مہینہ میں یہ اکٹھی نصیب ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک قیام اللیل یعنی نماز تہجد ہے۔ دوسری اعتکاف ہے اور تیسری لیلۃ القدر کی عبادت ہے۔

نماز تہجد

⊙ میں نے راتوں کی عبادت تمہارے لئے بطور سنت قائم کردی۔ (حدیث نبوی)

⊙ ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کر لیں۔ (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

⊙ رمضان المبارک سے تہجد کا بہت گہرا تعلق ہے۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ)

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کیلئے نماز تہجد کو ضروری قرار دیا ہے۔ آپ کے صحابہ بھی حضور ﷺ کے نقش قدم کی پیروی میں تہجد پڑھا کرتے تھے۔ تہجد کی نماز پانچ فرض نمازوں کے علاوہ ہے جو سونے سے بیدار ہو کر طلوع فجر سے پہلے پہلے پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ انفرادی نماز خلوت اور تنہائی کی مناجات ہے جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ زندگی بھر لمبے قیام و رکوع و سجود کے ساتھ نماز تہجد پڑھتے رہے حتی کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ تین وتروں کے علاوہ آٹھ رکعت نفل بطور تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ (بعض اوقات اس سے بھی زائد رکعات) آخر میں وتر پڑھتے تھے۔ یہ نوافل حضور ﷺ بالعموم دو دو رکعتوں کی صورت میں پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ تو آپ کا عام معمول تھا۔ رمضان میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

"آپ کمر ہمت کس لیتے تھے اور پوری کوشش اور محنت فرماتے تھے۔" (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

"حضور ﷺ کو سوائے رمضان کے، عام طور پر ساری ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے نہیں دیکھا گیا۔" (نسائی)

اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ۔

"اللہ تعالیٰ نے رمضان کو تم پر فرض کیا ہے اور میں نے اس کی راتوں کی عبادت تمہارے لئے بطور سنت قائم کر دی ہے۔" (نسائی)

اس لئے رمضان کی راتوں میں سحری کے وقت نوافل ادا کرنے کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ خواہ وہ دو چار ہی کیوں نہ پڑھیں کیونکہ رات کے آخری حصہ میں نوافل کی ادائیگی کرنا زیادہ افضل ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کی راتوں میں عبادت کرنے کیلئے خاص طور پر تحریک و ترغیب دلایا کرتے تھے۔ بے شک آپ عزیمت کے طور پر اس کا حکم تو نہیں دیتے تھے تاہم تلقین و ترغیب ضرور فرماتے تھے۔ (ترمذی)

نماز تراویح

حضرت ابوذر غفاریؓ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک رمضان المبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے (حسب معمول) ۲۲ رمضان تک ہمیں رات کو باجماعت نوافل نہیں پڑھائے۔ تیسویں (۲۳) رمضان کی رات حضور ﷺ نے ہمیں باجماعت نوافل پڑھائے اور رات کے ثلث اول (یعنی پہلی تہائی) نماز پڑھاتے رہے۔ چوبیسویں رمضان کو حضور ﷺ نے ہمیں باجماعت نوافل نہیں پڑھائے۔ پھر پچیسویں رات رمضان کو حضور ﷺ نے باجماعت نفل نماز رات تک پڑھائی۔ ہم نے عرض کی اے رسول اللہ ﷺ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ہمیں باقی رات بھی نفل نماز پڑھا دیتے۔ تو آپ نے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ رات کو نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے اور امام کے سلام پھیرنے تک اس کے ساتھ

نماز ادا کرتا ہے اس کے لئے ساری رات کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ پھر آنحضور ﷺ نے ہمیں ۲۶ رمضان کو باجماعت نماز نہیں پڑھائی۔ یہاں تک کہ رمضان میں تین دن باقی رہ گئے تو ستائیسویں کو پھر آپ نے باجماعت نماز پڑھائی اور اپنے گھر والوں اور عورتوں کو بھی بلا کر اس میں شامل فرمایا اور اتنی دیر تک پڑھاتے رہے کہ ہمیں فجر کے طلوع ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرماتی ہیں۔

ایک رات آنحضرت ﷺ نے مسجد میں نوافل پڑھے تو کچھ لوگ آپ کی اقتداء میں اس نماز میں شامل ہو گئے اور آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اگلی صبح لوگوں نے ایک دوسرے کو رات کا واقعہ بتایا۔ چنانچہ دوسری رات حاضری بڑھ گئی اور پہلے دن سے زیادہ لوگ آنحضور ﷺ کے ساتھ نوافل میں شامل ہوئے۔ تیسری رات حاضری اور زیادہ ہو گئی اور چوتھی رات تو حاضری کا یہ حال تھا کہ مسجد نمازیوں کیلئے تنگ ہو گئی لیکن آنحضور ﷺ نماز پڑھانے تشریف نہ لائے۔ نماز فجر کی ادائیگی کیلئے جب حضور ﷺ تشریف لائے تو نماز کے بعد فرمایا رات کو باجماعت نوافل کی ادائیگی کیلئے تمہارے آنے اور انتظار کرنے کا مجھے علم ہو گیا تھا لیکن میں اس اندیشہ سے رک گیا کہ مبادا رات کی نماز کو فرض قرار دے دیا جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ۔ (مسلم)

حضرت ابن شہاب زہری تابعی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں قیام اللیل عام طور پر انفرادی عبادت کے طور پر ادا کی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں، خلافت ابوبکرؓ اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی دور میں بھی یہی طریق رہا۔ اس کے بعد کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مسجد نبویؐ میں لوگ مختلف گروہوں اور ٹولیوں کی صورت میں نوافل پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری (حافظ) کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہوگا اور پھر آپ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کو نماز کیلئے امام مقرر فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا تو لوگ ایک قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نئی تجویز کتنی اچھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا وہ عبادت جس سے تم رات کے آخری حصہ میں سوئے ہوتے ہو وہ اس سے افضل ہے جو تم اب ادا کر رہے ہو۔ (بخاری)

مذکورہ بالا روایات میں نماز تراویح کے بارے میں آپ نے پڑھا ہے۔ ہر چند کے نماز تراویح بھی سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے لیکن یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہئے کہ اصل نماز تہجد ہی ہے اور اسی کا التزام کرنا چاہئے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ تہجد بھی پڑھی جائے اور پورے قرآن کا دور کرنے کیلئے یا قرآن سننے کیلئے تراویح بھی ادا کی جائے۔ لیکن دونوں میں سے التزام اور اختیار اور تقدم تہجد ہی کو ہونا چاہئے۔ دراصل نماز تراویح تو ایک سہولت ہے جو نبی کریم ﷺ نے از راہ شفقت ان کمزوروں کے لئے قائم فرمائی جو تہجد میں زیادہ نوافل نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اس بات کی تائید حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے درج ذیل دو اقتباسات بھی کر رہے ہیں۔

"ایک صاحب نے حضرت مسیح موعود سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں رات کو اٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے لیکن عموماً محنتی مزدور، زمیندار لوگ جو ایسے اعمال کے بجالانے میں غفلت کرتے ہیں اگر اول شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخر شب کے پڑھا دی جائے تو کیا جائز ہوگا؟ حضرت اقدس نے فرمایا "کچھ حرج نہیں پڑھ لیں" (بدر ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء بحوالہ فتاویٰ حضرت مسیح موعود صفحہ ۱۲۹)

ایک دوسری جگہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"آنحضرت ﷺ کی سنت دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہیں اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے۔ مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رات کے اول حصہ میں اسے پڑھا۔

۲۰ رکعات بعد میں پڑھی گئیں مگر آنحضرت ﷺ کی سنت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی۔"

(بدر ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء بحوالہ فتاویٰ حضرت مسیح موعود صفحہ ۷۲)

گویا اصل یہی ہے کہ یہ نوافل تہجد کے وقت ہی ادا کئے جائیں ہاں نماز تراویح بھی ادا کر لیں تو اور اچھی بات ہے۔ نوافل اور نیکی میں زیادتی تو خیر کا موجب ہی ہوتی ہے اور ویسے بھی یہ تہجد ہی تو ہے جس کو قرآن کریم نے "نَافِلَةً لَّكَ" کہا اور سورۃ المزمل میں

ارشاد فرمایا کہ۔

رات کی بیداری نفس کے جذبات کو دبانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اور یوں بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً یعنی سحری کے کھانے میں برکت ہے۔ تو یہ سحری کا کھانا برکتوں والا تو تبھی بنے گا کہ جب سحری سے پہلے کچھ خدا سے راز و نیاز کی باتیں ہوں گی۔ جب اس کے سامنے سجدہ ریز ہوئے ہوں گے اس کے شکرانے کے نوافل ادا کئے ہوں گے۔ تبھی یہ سحری "برکہ" کا موجب ہوگی۔ حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ اس امر کی طرف جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"رمضان میں صرف روزوں کی تلقین نہیں کرنی چاہئے بلکہ روزوں کے لوازمات کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔ میں نے ایک دفعہ سرسری طور پر جائزہ لیا۔ نوجوانوں سے پوچھنا شروع کیا روزہ رکھا ہے یا نہیں رکھا؟ کیسا رہا؟ کس طرح رکھا؟ تو اکثر یہ دیکھا گیا یعنی اکثر یہ جواب ملا کہ ہم نے سحری کھا کر روزہ رکھا اور نفلوں کا کوئی ذکر نہیں تھا حالانکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے تم پر فرض کئے ہیں اور میں نے اس میں تہجد کی سنت تمہارے لئے قائم کردی ہے۔ (اگلے الفاظ تو بعینہٖ یاد نہیں) لیکن مراد یہ ہے کہ تمہارے لئے مزید برکتوں کے رستے پیدا کر دیئے ہیں۔ پس تہجد ویسے بھی بہت اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بہت ہی تعریف کے رنگ میں پیش فرمایا ہے اور اس کی بہت سی برکتیں بیان فرمائیں ہیں۔ یہ مقام محمود تک لے جانے والی چیز ہے لیکن رمضان المبارک سے تہجد کا بہت گہرا تعلق ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رمضان کے سوا آنحضرت ﷺ کو اتنی لمبی تہجد پڑھتے کبھی نہیں دیکھا۔ بعض دفعہ آپ تقریباً ساری رات کھڑے ہو کر گزا دیتے تھے۔ پس رمضان کے ساتھ تہجد کا بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ وہ روزے جو تہجد سے خالی ہیں وہ بالکل ادھورے اور بے معنی روزے ہیں۔ اس لئے بچوں کو خصوصیت کے ساتھ تہجد کی تلقین کرنی چاہئے۔ قادیان یا ربوہ کے جس ماحول کا میں نے ذکر کیا ہے اس میں عموماً یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا خصوصاً قادیان میں کہ کوئی بچہ اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا کھانے کی میز پر آ جائے۔ اس کے لئے لازمی تھا کہ وہ ضرور پہلے نفل پڑھے۔ لازمی ان معنوں میں کہ سبھی کرتے تھے۔ اس نے یہی دیکھا تھا اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بعض دفعہ بچے کی Late آنکھ کھلتی ہے یعنی زیادہ دیر ہو جاتی ہے تو کھانا بھی جلدی میں کھاتا ہے لیکن قادیان کے بچے پھر تہجد بھی جلدی میں پڑھتے تھے۔ یہ نہیں کرتے تھے کہ اب تہجد پڑھنے کا وقت نہیں رہا صرف کھانا کھائیں بلکہ اگر کھانے کے لئے تھوڑا وقت ہے تو تہجد کیلئے بھی تھوڑا وقت تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دو نفل جس کو عام طور پر ٹکریں مارنا کہتے ہیں اس طرح کے نفل پڑھے اور اسی طرح کا کھانا کھایا یعنی دو لقمے جلدی جلدی کھائے لیکن انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ روحانی غذا کی طرف بھی توجہ دیں اور جسمانی غذا کی طرف بھی توجہ دیں اور یہ انصاف ان کے اندر پایا جاتا تھا جو ان کے بچپن سے ماؤں نے دودھ میں پلایا ہوا تھا۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ اپریل ۱۹۸۸ء)

یوں بھی عام حالات میں نماز تہجد اور قیام اللیل کا ثواب بہت بیان ہوا ہے۔ یہ قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات کو ورلے آسمان پر آ جاتا ہے اور فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے دوں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے اور میں اسے

بخش دوں اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ یوں اعلان فرماتا ہے۔ ہے کوئی دعا کرنے والا؟ جس کی دعا قبول کی جائے اور ہے کوئی مانگنے والا؟ کہ اسے دیا جائے۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا؟ کہ اس کی توبہ قبول ہو۔ (مسلم)

تہجد کی اہمیت اور برکتوں کی طرف مزید توجہ دلاتے ہوئے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کرلیں جو زیادہ نہیں وہ دو رکعت ہی پڑھ لے کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقع مل جاوے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سچے درد اور سچے جوش سے نکلتی ہیں۔ جب تک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو اس وقت تک ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے۔ پس وقت کا اٹھنا ہی ایک درد دل پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔"

(فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک عبادت پر قائم رہنے اور ہمارے بچوں اور نسلوں کو بھی اس پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

لیلتہ القدر

ہزار مہینوں سے بہتر، متبرک اور بزرگ رات

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لیلتہ القدر کو بہترین رات قرار دیا ہے۔ لیلتہ القدر سے مراد مامور کا زمانہ بھی ہوتا ہے۔ ہر فرد کی حقیقی اور مقبول توبہ کی گھڑی کو بھی صوفیا نے اس کی لیلتہ القدر قرار دیا ہے۔ امت کی ایک اجتماعی عمومی لیلتہ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رات آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک ہوتی ہے۔ یہ انوار و افضال اور رحمتوں اور برکتوں کی رات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی عظمت کے بارے میں فرمایا۔

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مہینہ تمہارے پاس آیا ہے اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ جو شخص اس رات سے فائدہ نہ اٹھا سکا وہ تمام خیر سے محروم ہوا اور اس کی خیر و برکت سے سوائے محروم انسان کے کوئی خالی نہیں رہتا۔ (ابن ماجہ)

لیلتہ القدر عزت والی رات اس لحاظ سے بھی ہے کہ قرآن عظیم جیسی شان والی کتاب کا نزول اس رات میں ہوا۔ اور اس اعتبار سے قرآن کریم میں اسے لیلتہ مبارکہ بھی کہا گیا ہے۔ یعنی ہم نے قرآن کو برکتوں والی رات میں اتارا ہے۔ (سورہ دخان: ۴)

گویا اس رات خدا کی رحمت بے پایاں اپنے عروج پر ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی اس کی تشریح آئی ہے کہ جس شخص کو لیلتہ القدر میں کامل ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت کرنے کی توفیق ملے تو اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب لیلتہ القدر ہوتی ہے تو جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نزول فرماتے ہیں اور ہر اس بندہ کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔"

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اس مبارک اور بزرگ رات کی بابت فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف میں جو لیلتہ القدر کا ذکر آیا ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہاں لیلتہ القدر کے تین معنی ہیں۔

اول:۔ تو یہ کہ رمضان میں ایک رات لیلتہ القدر کی ہوتی ہے۔

دوم:۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی ایک لیلتہ القدر تھا۔

سوم:۔ لیلتہ القدر انسان کے لئے اس کا وقت اصفی ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲۔ ۱۳ اگست ۱۹۰۱ء بحوالہ ملفوظات جلد اول صفحہ ۵۳۲ نیا ایڈیشن)

پھر فرمایا:۔

"ہم لیلتہ القدر کے دونوں معنوں کو مانتے ہیں ایک وہ جو عرف عام میں ہیں کہ بعض راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خدا تعالیٰ ان میں دعائیں قبول کرتا ہے اور ایک اس سے مراد تاریکی کے زمانہ کی ہے جس میں عام ظلمت پھیل جاتی ہے حقیقی دنیا کا نام و نشان نہیں رہتا۔"

البدر جلد ۳ نمبر ۲ ۸ جنوری ۱۹۰۴ء بحوالہ ملفوظات جلد سوم صفحہ ۴۹۳ نیا ایڈیشن)

پھر آپ فرماتے ہیں۔

"ایک لیلۃ القدر تو وہ ہے جو پچھلے حصہ رات میں ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ تجلی فرماتا ہے اور ہاتھ پھیلاتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا استغفار کرنے والا ہے جو میں اس کو قبول کروں۔"

الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۷ ۳۱ جولائی ۱۹۰۶ء)

اس رات کی تلاش کیلئے رسول اللہ ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ (بخاری)

لیلۃ القدر کی دعا

حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ کونسی رات لیلۃ القدر ہے تو میں اس میں کیا دعا کروں؟

آنحضور ﷺ نے فرمایا یہ دعا کرو:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی (مسند احمد و ابن ماجہ)

کہ اے اللہ یقیناً تو تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ تو عفو کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف کر۔

لیلۃ القدر کے بارے میں تعیین نہیں کی گئی کہ رمضان کی کونسی رات ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضور ﷺ کے صحابہؓ کو خواب کی حالت میں لیلۃ القدر رمضان کے آخری سات دنوں میں دکھائی گئی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری خوابیں آخری سات راتوں کے بارہ میں متفق ہیں (کہ ان میں لیلۃ القدر ہے) پس جو شخص لیلۃ القدر کا متلاشی ہے وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔ (بخاری)

الغرض لیلۃ القدر دراصل قبولیت دعا کی ایک گھڑی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی التجاؤں کو خاص طور پر شرف قبولیت بخشتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ رسول کریم ﷺ دوسروں کو قبولیت دعا کا وقت بتانے کیلئے باہر نکلے تھے مگر اس وقت دو آدمی آپس میں لڑتے ہوئے آپ نے دیکھے تو فرمایا تم کو دیکھ کر مجھے وہ وقت بھول گیا ہے مگر اتنا فرما دیا کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں یہ وقت ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ ان راتوں کے علاوہ بھی یہ وقت آتا ہے مگر رمضان کی آخری راتوں میں قبولیت دعا کا خاص وقت ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے تجربہ کی بناء پر فرمایا کہ ستائیسویں کی رات کو یہ وقت ہوتا ہے۔ (الفضل ۳ نومبر ۱۹۱۴ء)

اعتکاف

خدا کی راہ میں ایک دن اعتکاف کرنے والے اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ تین ایسی خندقیں بنادے گا جن کے درمیان مشرق و مغرب کے مابین فاصلہ سے بھی زیادہ ہوگا۔" (حدیث نبویؐ)

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی نسبت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"یہ ایسا مہینہ ہے جس کی ابتداء نزول رحمت ہے اور جس کا وسط مغفرت کا وقت ہے اور جس کا آخر کامل اجر پانے یعنی آگ سے آزادی کا زمانہ ہے"۔

اس آخری عشرہ کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ۔

"نبی کریم ﷺ (رمضان کے) آخری عشرہ میں داخل ہوتے تو کمر ہمت کس لیتے اور اپنی رات کو (عبادت میں شب بیداری سے) زندہ کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔" (بخاری)

حضرت عائشہؓ کی ہی دوسری روایت ہے کہ۔

"آنحضرت ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں جتنی کوشش و محنت اور مجاہدہ فرماتے تھے وہ جدوجہد اس کے علاوہ ایام میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔" (ابن ماجہ)

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رمضان کے آخر میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے۔ (بیہقی) آخری عشرہ میں آنحضور ﷺ اعتکاف بھی فرماتے تھے اور لیلۃ القدر کی تلاش میں راتیں بھی زندہ کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی ایک اور

برکت آنحضور ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ

"رمضان کی آخری رات میں میری امت کی مغفرت ہوتی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا اے خدا کے رسول ﷺ کیا رمضان کی آخری رات لیلتہ القدر ہوتی ہے فرمایا نہیں بلکہ عمل کرنے والا جب عمل سے فارغ ہوتا ہے تو اس وقت اسے اس کا اجر دیا جاتا ہے (اور یہ مغفرت اس کا اجر ہے)۔ (مسند احمد بحوالہ مشکوۃ)

اس لئے رمضان کی عبادات اور اعمال سے فراغت پر ان مومن بندوں کو آخری رات اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی صورت میں عبادات بجا لانے والوں کو جلد ہی ان کا اجر دیتا ہے اور یہ آخری عشرہ ان لوگوں کیلئے اور بھی عظیم اور بابرکت ہو جاتا ہے جو اس میں اعتکاف کی سنت پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی اعتکاف فرماتی رہیں۔" (بخاری کتاب الصوم)

اعتکاف کے لغوی معنے کہیں رک رہنے یا بیٹھنے کے ہیں۔ اسلام سے پہلے اعتکاف کی عبادت کا تصور اس طور پر تھا کہ اپنے آپ کو کسی عبادت گاہ یا جگہ میں ایک معینہ مدت تک روک رکھنا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں ایک رات مسجد حرام بیت اللہ شریف میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی کیا وہ پوری کروں؟ آپ نے فرمایا "اپنی نذر پوری کرو"۔ (بخاری)

گویا ان معنوں میں یہ غیر مسنون اعتکاف رمضان کے علاوہ بھی' اور دس دنوں سے کم بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن دینی اصطلاح میں مسنون اعتکاف یہ ہے کہ انسان رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں "بیت الذکر" میں خاص شرائط و آداب کے ساتھ ٹھہرے۔ یہی وہ اعتکاف ہے جو آنحضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے اور رمضان کے فرض ہونے کے بعد ہر سال آنحضور ﷺ یہ اعتکاف فرماتے رہے۔ شروع شروع میں جب رمضان فرض ہوا تو ایک سال آنحضور ﷺ نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں بھی اعتکاف کیا لیکن بیسویں رمضان کو صحابہ سے فرمایا کہ اس آخری عشرہ میں مجھے لیلتہ القدر دکھائی گئی ہے اس لئے اس میں معتکف رہو۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے رہے۔ سوائے ایک سال کے جس میں بعض خاص مصالح کی بناء پر اگلے مہینہ میں اعتکاف فرمایا۔

مسائل اعتکاف

اعتکاف کی ابتداء بیسویں رمضان سے ہوتی ہے اور عید کا چاند نظر آنے پر معتکف کا اعتکاف مکمل ہو جاتا ہے اور وہ اعتکاف سے نکل آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اعتکاف کے بارہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور نماز فجر کے بعد اپنے معتکف (یعنی اعتکاف کے خیمہ) میں تشریف لے جاتے تھے۔ (بخاری۔ مسلم)

بعض علماء کے نزدیک ۲۰ رمضان کو نماز فجر کی بجائے ۲۰ کو غروب آفتاب سے پہلے بیٹھنا اور بعض کے نزدیک ۲۰ کو فجر کے معاً بعد بیٹھنا چاہئے۔ ہمارے نزدیک دونوں طریق درست ہیں۔ البتہ ۲۰ کو فجر کے بعد بیٹھا جائے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس طرح آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی بھی توفیق مل جاتی ہے۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"اعتکاف بیسویں کی صبح کو بیٹھتے ہیں کبھی دس دن ہو جاتے ہیں اور کبھی گیارہ۔ (الفضل ۳ نومبر ۱۹۱۴ء)

معتکف کو البیت یا اپنے معتکف میں رہ کر اپنا وقت ذکر الٰہی اور عبادات' نوافل اور تلاوت قرآن کریم میں گزارنا چاہئے۔ معتکف ضرورت کیلئے "بیت" سے باہر جا سکتا ہے۔ مثلاً قضائے حاجت وغیرہ یا کسی اور خاص ضرورت کے لئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اعتکاف میں بیت سے باہر جا کر مریض کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ لیکن راستہ میں ادھر ادھر کہیں نہیں جاتے تھے نہ زیادہ وہاں ٹھہرتے تھے بلکہ جا کر عیادت کر کے واپس تشریف لے آتے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ جامع (جہاں جمعہ ہوتا ہے) میں اعتکاف بیٹھے لیکن اگر ایسی صورت میسر نہیں تو عام بیت میں بھی اعتکاف کر سکتا ہے اور جمعہ کیلئے جامع بیت میں جا سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک جنازہ میں بھی شامل ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اعتکاف میں بیوی سے مباشرت جائز نہیں۔ فرمایا کہ و لا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد

(البقرہ:۱۸۸) جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔

اعتکاف میں بیوی بچے آکر معتکف سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے مسجد نبویؐ میں تشریف لاتی تھیں۔ بلکہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں ان کا گھر مسجد سے کچھ فاصلے پر تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو گھر تک چھوڑنے گئے اور دروازہ تک چھوڑ کر واپس آئے۔ (بخاری)

لیکن بغیر اشد ضرورت کے معتکف گھر نہ جائے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ۔

"آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے دنوں میں مسجد سے حجرہ کے قریب آکر اپنا سر مبارک میری طرف کرتے تھے اور میں کنگھی کر دیتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے سوائے قضائے حاجت کے۔" (بخاری و مسلم)

اعتکاف کے دنوں میں انسان ضرورت پڑنے پر بیت کے کونے میں چارپائی بچھا کر سو سکتا ہے اس میں حرج نہیں بشرطیکہ نماز پڑھنے والوں کو دقت پیش نہ آئے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر اور چارپائی استوانہ توبہ کی اوٹ میں رکھے جاتے۔ (ابن ماجہ کتاب الاعتکاف)

قضائے حاجت کے علاوہ انسان جمعہ پڑھنے کیلئے جامع بیت جا سکتا ہے۔ لیکن باقی ضروریات مثلاً درس القرآن، اجتماعی دعا میں شرکت، بال کٹوانے، کھانا کھانے یا کسی کی مشایعت کرنے کیلئے باہر آنے کی اجازت میں اختلاف ہے اکثر ان اغراض کیلئے بیت سے باہر آنے کو جائز نہیں سمجھتے اور اعتکاف کی روح بھی اس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ یاد رہے اعتکاف میں بال کٹوانا بیت کے احترام کی وجہ سے ناپسندیدہ ہے۔ حضرت مسیح موعود سے سوال ہوا کہ معتکف دنیاوی کاروبار کیلئے بات کر سکتا ہے فرمایا۔

"سخت ضرورت کے سبب کر سکتا ہے اور بیمار کی عیادت اور حوائج ضروریہ کے واسطے باہر جا سکتا ہے۔"

(بدر ۲۱ فروری ۱۹۰۸ء)

معتکف کا حوائج ضروریہ یعنی عبادت، نماز جمعہ وغیرہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے بیت سے باہر نکلنا جائز نہیں البتہ ضروری امور وضو، غسل، قضائے حاجت وغیرہ کیلئے بیت سے باہر نکلنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ عورت بیت میں اعتکاف کر سکتی ہے لیکن گھر میں ایک جگہ (مخصوص کرکے) اعتکاف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (ہدایہ)

دوران اعتکاف عورت کو ماہواری ہو جائے تو اعتکاف ترک کر دے۔ اس حالت میں اس کے لئے بیت میں رہنا درست نہیں۔ معتکف ذکر الٰہی کرے اور قصوں اور باتوں میں وقت ضائع نہ کرے۔ لیکن چپ کا روزہ بھی درست نہیں۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ معتکف کیلئے خاموشی ناپسندیدہ ہے کیونکہ چپ کا روزہ بالکل نیکی نہیں۔ صحت اعتکاف کیلئے شرط ایسی بیت میں ہے جس میں نماز باجماعت ہوتی ہے۔ مجبوری کی بناء پر بیت سے باہر بھی اعتکاف ہو سکتا ہے۔ حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"(.....) سے باہر بھی اعتکاف ہو سکتا ہے مگر......) والا ثواب نہیں مل سکتا۔" (الفضل ۶ مارچ ۱۹۶۳ء)

تلاوت قرآن کریم

اس پیاری کتاب کا نزول رمضان المبارک میں شروع ہوا بلکہ رمضان میں ہی سارا کا سارے نازل ہوا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرہ)

اور پھر فرمایا:۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (سورۃ القدر)

یعنی ہم نے اس قرآن کو ایک ایسی عظیم رات میں اتارا ہے کہ جس کی عظمت کا اندازہ انسان کر ہی نہیں سکتا۔ تو اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ علاوہ اس کے کہ قرآن کی تلاوت ہر وقت ہی ایک عظیم اور "محمود" نفل ہے اور صبح کے وقت کی تلاوت تو خدا کے حضور "مقام مشہود" پاتی ہے مگر رمضان میں اس کی تلاوت ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ اس کے نزول کا تعلق براہ راست

رمضان کے ساتھ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ خود رمضان ہر نیکی کے حسن اور اس کی قبولیت میں اضافہ کا موجب ہے۔ بخاری کتاب فضائل القرآن باب " کان جبریل یعرض القرآن علی النبی " سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال رمضان کی راتوں میں جبریل علیہ السلام تشریف لاتے اور آنحضور ﷺ کے ساتھ قرآن کے اس حصہ کا جو اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا دور کرتے تھے اور آپ کی حیات مبارکہ میں جو آخری رمضان آیا تو اس میں کل قرآن کا دو دفعہ دور کیا۔ خدا تعالیٰ کا قرآن کریم کے دور اور دہرائی کیلئے دیگر تمام گیارہ ماہ کو چھوڑ کر صرف رمضان کو اختیار کرنا بتاتا ہے کہ اس ماہ میں تلاوت قرآن خدا تعالیٰ کو خاص محبوب ہے اور اس کے حضور اس کا ایک عظیم مقام اور درجہ ہے۔ سو خدا تعالیٰ کی یہ فعلی شہادت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ ہم اس موقعہ کو غنیمت جانیں۔ کون جانے اگلا رمضان کس کس کو دیکھنا نصیب ہو گا۔ اس لئے رمضان اور قرآن کو اپنے اندر داخل کرنے کا یہ ایک قیمتی موقعہ خدا تعالیٰ ہمیں عطا کر رہا ہے۔ ایک اور ارشاد نبویؐ اس مبارک ماہ میں تلاوت قرآن کی اہمیت کی طرف ترغیب دلا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ۔

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن روزے اور قرآن بندے کیلئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس شخص کو (رمضان میں) دن کے وقت کھانے پینے اور شہوات نفسانی سے روکا تھا (یہ رک گیا تھا)۔ پس میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما اور قرآن کہے گا اے میرے رب! میں نے اس شخص کو رات سونے سے روک دیا تھا (یہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر قرآن پڑھتا تھا) پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی (اور اس شخص کو بخش دیا جائے گا۔")

(بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

"غرض رمضان ایک خاص اہمیت رکھنے والا مہینہ ہے اور جس شخص کے دل میں (دین حق) اور ایمان کی قدر ہوتی ہے وہ اس مہینہ کے آتے ہی اپنے دل میں ایک خاص حرکت اور جسم میں ایک خاص قسم کی کپکپاہٹ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتنی ہی صدیاں ہمارے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان گزر جائیں، کتنے ہی سال ہمیں اور ان کو جدا کرتے چلے جائیں، کتنے ہی دنوں کا فاصلہ ہم میں اور ان میں حائل ہوتا چلا جائے۔ لیکن جس وقت رمضان کا مہینہ آتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان صدیوں اور سالوں کو اس مہینہ نے لپیٹ لپاٹ کر چھوٹا سا کر کے رکھ دیا ہے اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہی قریب نہیں، چونکہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام فاصلہ کو رمضان نے سمیٹ سماٹ کر ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب پہنچا دیا ہے۔ وہ بعد جو ایک انسان کو خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے، وہ بعد جو ایک کمزور اور نالائق ہستی کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا سے ہوتا ہے، وہ یوں سمٹ جاتا ہے، وہ یوں مٹ جاتا ہے، وہ یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے سورج کی کرنوں سے رات کا اندھیرا"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۳۹۳۔ ۳۹۴)

اس مبارک صد مبارک مہینہ میں تلاوت قرآن کریم کی عظمت اور ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"پس رمضان کلام الٰہی کو یاد کرانے کا مہینہ ہے۔ اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنی چاہئے اور اسی وجہ سے ہم بھی اس مہینہ میں درس قرآن کا انتظام کرتے ہیں۔ دوستوں کو چاہئے کہ اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کریں اور قرآن کریم کے معانی پر غور کریں۔ تاکہ ان کے اندر قربانی کی روح پیدا ہو جس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۹۳)

پھر رمضان اور قرآن کا تعلق بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قدر عظیم کتاب کو ہم نے رمضان کے مہینے میں نازل کرنا شروع کیا تھا۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن اور اسے (سارے کے سارے) اپنے اپنے وقت پر رمضان میں نازل کرتے رہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نزول

فرماتے اور میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے۔ اس رمضان میں جتنا حصہ قرآن کریم کا نازل ہو چکا ہوتا اس کا دور نزول کے ذریعہ جبریل علیہ السلام حضرت رسول اکرم ﷺ سے کرتے۔ ایک دفعہ، پھر دوسری دفعہ، پھر تیسری دفعہ نزول ہوتا رہتا تھا اور آخری سال نبی کریم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے دو دفعہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا ہے۔ غرض اتنی عظیم کتاب کا اس مہینہ میں بار بار نزول ہونا اور پھر اس مہینہ میں نزول ہونا بتاتا ہے کہ یہ ماہ بھی بہت سی برکتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس فرمایا کہ یہ مہینہ وہ ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم کے احکام بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا قرآن کریم کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور جو قرآنی برکتیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت (یعنی شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن...... الآیہ۔ ناقل) میں بیان کی ہیں جن کا اختصار کے ساتھ میں نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم ان برکتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو رمضان کی عبادتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ نومبر ۱۹۶۷ء)

اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ رمضان ہمارے لئے موقعہ اور وسیلہ بن جائے اس کارگر حربہ اور اس یگانہ کتاب کو اختیار کرنے کا، تا ہم بھی "مبارکی اور صد ہزار مبارکی" کے مستحق قرار پائیں۔ اللھم آمین

حضرت خلیفتہ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے خلافت سے قبل رمضان میں تلاوت قرآن کریم کی طرف توجہ دلانے کیلئے "رمضان اور تلاوت قرآن" کے عنوان سے ایک مضمون الفضل میں شائع فرمایا جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ حضرت فاطمہؓ روایت کرتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام ماہ رمضان میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے اور آخری رمضان میں آپ نے حضور ﷺ کے ساتھ قرآن کریم کا دو بار دور فرمایا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ حامل قرآن اور مفسر قرآن علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد امت محمدیہ کو قرآن کے پڑھنے، اس پر غور کرنے، اس کے مطالب سمجھنے اور اس سے ہدایت لینے کی طرف خاصی توجہ دینی ہوگی۔

اس نکتہ کو اکابر امت نے خوب سمجھا اور ماہ رمضان میں تلاوت قرآن مجید پر اس قدر زور دیا اور اس کی طرف اس قدر متوجہ ہوئے اور اس کثرت سے قرآن کریم کو پڑھا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت الاسودؒ کے متعلق آتا ہے کہ رمضان میں وہ دو راتوں میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔

رمضان کے پہلے بیس دنوں میں تین دنوں میں اور آخری عشرہ میں دو راتوں میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت قتادہؒ رمضان کی پہلی بیس راتوں میں تین دن میں ایک بار لیکن آخری عشرہ میں ہر روز پورے قرآن کی تلاوت مکمل کر لیتے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ ماہ رمضان میں قرآن کریم کے ساتھ دور کرتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ کے متعلق آیا ہے کہ رمضان شروع ہوتے ہی حدیث کے تمام مشاغل ترک کر کے صرف قرآن کریم ہی کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ حضرت سفیانؒ ثوری کے متعلق بھی یہی آیا ہے کہ وہ سب دیگر مشاغل دینیہ کو چھوڑ کر رمضان المبارک میں صرف تلاوت قرآن ہی کی طرف کلیہ متوجہ ہو جاتے تھے۔ پس میں سب دوستوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ رمضان کے مبارک مہینہ میں خصوصاً رات کی گھڑیوں میں جہاں تک ممکن ہو سکے دیگر مشاغل کو ترک کر کے قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی پوری ہمت اور اپنی پوری طاقت اور اپنی پوری توجہ کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے اور اس کے مطالب پر غور کرنے اور اس کے اوامر و نواہی کی حکمتوں کے سمجھنے کی سعی میں لگ جائیں اور کوشش کریں کہ اس پاک اور مقدس کتاب سے زیادہ سے زیادہ برکتیں حاصل ہوں کہ یہ وہ نور ہے جس میں کوئی ظلمت نہیں اور وہ چشمہ اصفی ہے جس میں کوئی گدلا پن نہیں اور وہ کامل اور مکمل ہدایت ہے جس کے بعد کسی اور صحیفہ یا ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اس کے کہنے ہی کیا ہیں۔

وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پس آؤ کہ صحف مکرمہ مرفوعہ کی تلاوت کریں انہیں پڑھیں اور پھر پڑھیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سارے جسم اور ہماری ساری سوچ اور ہمارے سارے دل اور دماغ میں سرایت کر جائیں اور اس ارفع اور عزت بخش کلام کیلئے ہمارے دلوں میں ایک بے پناہ محبت پیدا ہو جائے اور ہمارے وجود کا ذرہ ذرہ بے اختیار ہو کر پکار اٹھے کہ:

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
(الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۱)

دعا اور رمضان کا مبارک مہینہ

رمضان کا مہینہ دعاؤں کا مہینہ ہے اور دعا کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بڑے ہی دلنشیں انداز میں ہمیں تعلیم دی ہے اور ہمیں اپنے تجربہ سے بتایا ہے کہ دعاؤں میں بڑی تاثیریں ہیں اور ہمارا خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس ضمن میں آپ کے کچھ ارشادات پیش خدمت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے۔" (برکات الدعا صفحہ ۱۰)

پھر فرمایا:۔

"مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ان کا خدا دعاؤں کو سننے والا ہے۔" (الحکم ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء)

پھر فرمایا:۔

"میرا تو مذہب ہے کہ جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائے گا۔ وہ خدا ہی کا قائل نہیں ہے" (الحکم ۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء)

"ساری عقدہ کشائیاں دعا سے ہو جاتی ہیں"۔ (الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

پھر فرمایا:۔

"دعا تو ایک ایسی چیز ہے جو ہر مشکل کو آسان بنا دیتی ہے۔ دعا کے ساتھ مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو دعا کی قدر و قیمت معلوم نہیں۔ وہ بہت جلد ملول ہو جاتے ہیں اور ہمت ہار کر چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ دعا ایک استقلال اور مداومت کو چاہتی ہے۔....." (الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۴ء)

"دعا ایسے شے ہے کہ جن امراض کو اطباء اور ڈاکٹر لاعلاج کہہ دیتے ہیں ان کا علاج بھی دعا کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔" (البدر ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء)

اسی طرح فرمایا:۔

"میرا مذہب بیماریوں کے دعا کے ذریعہ سے شفا کے متعلق ایسا ہے کہ جتنا میرے دل میں ہے اتنا میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ طبیب ایک حد تک چل کر ٹھہر جاتا ہے اور مایوس ہو جاتا ہے مگر اس کے آگے خدا دعا کے ذریعہ سے راہ کھول دیتا ہے...." (الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء)

حضرت مسیح موعود نے فرمایا:۔

"دعا میں اس قدر اثر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ دعا سے پہاڑ چل پڑتا ہے تو میں اسے یقین کروں گا اور اگر کوئی یہ کہے کہ دعا سے درخت نقل مکانی کر جاتا ہے تو میں اسے سچ مانوں گا..... یہی تو وہ چیز ہے جو انسان کی رسائی خدا تعالیٰ تک کرا دیتی ہے۔" (سیرت المہدی صفحہ نمبر ۲۳ حصہ سوم روایت نمبر ۴۹۹)

پھر فرمایا:۔

"دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف خاص جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان سے نزدیک ہے...." (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۷)

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے

فرمایا۔

"دعا ایسی چیز ہے کہ خشک لکڑی کو بھی سرسبز کر سکتی ہے اور مردہ کو زندہ کر سکتی ہے۔ اس میں بڑی تاثیریں ہیں۔ جہاں تک قضاء و قدر کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کوئی کیسا بھی معصیت میں غرق ہو دعا اس کو بچا لے گی....." (الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

رمضان کی برکتوں والے مہینے سے دعا کو ایک گہرا تعلق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جب روزوں کو فرضیت اور اس کے احکام نازل فرمائے تو ساتھ ہی فرمایا کہ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

یہ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سرالہی کا پتہ لگتا ہے۔ اگر وہ اس ماہ میں دعائیں مانگیں تو میں قبول کروں گا...... "لعلهم يرشدون" سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس ماہ کو رشد سے خاص تعلق ہے اور اس کا ذریعہ خدا پر ایمان اس کے احکام کی اتباع اور دعا کو قرار دیا ہے اور یہی باتیں ہیں جن سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔" (مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۸۲)

دعاؤں کی تاثیر اور اس کی عظمتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ دار کی دعا کا مقام خدا کے نزدیک کیسا عظیم ہے اور اس کی دعائیں کس طرح شرف قبولیت پاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ دار کے لئے اس کی افطاری کے وقت ایک دعا ایسی ہے جو رد نہیں کی جاتی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"تین اشخاص کی دعا کبھی رد نہیں کی جاتی۔ ایک امام عادل کی دعا' دوسرے روزہ دار کی دعا' یہاں تک کہ وہ افطار کرے........ ان دعاؤں کیلئے آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری عزت کی قسم (اے دعا کرنے والے) میں تیری مدد کروں گا خواہ کچھ وقت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔" (ابن ماجہ)

پس اس مبارک مہینہ میں اپنے روزوں کو اپنی دعاؤں سے سجانا ہوگا۔ اپنے آنسوؤں سے ان روزوں کو تر رکھنا ہوگا اور خدا کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اپنے دلوں کی پیاس کو بجھانا ہوگا۔ بہت مناسب ہے کہ ان مبارک گھڑیوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بتائی ہوئی یہ دعا کرنی چاہئے۔ فرمایا۔

"پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا آسمانی طاقت بخش دے گا۔" (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۸۸)

دعاؤں کے اس عظیم اور سنہری موقعہ سے ہمیں فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہئے اور روزوں کا جو عظیم مقصد ہے کہ "لقاء الٰہی" اس کی صدا ہم اپنے دل میں محسوس کریں۔ "انی قریب" کی دلربا صدا اپنے کانوں سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہو۔ اس مبارک گھڑی اور مبارک مقصد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

"اسی طرح دعا کے قبول ہونے کے اوقات بھی ہیں لیکن وہ ظاہری سامانوں کی حد بندیوں کے نیچے نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی قلوب کی خاص حالتوں اور کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں وہی انسان محسوس کر سکتا ہے جس پر وہ حالت وارد ہو مگر دعا کی قبولیت کا ایک اور وقت بھی ہے جس کے معلوم کرنے کیلئے باریک قلبی کیفیات سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی اور وہ وقت رمضان کا مہینہ ہے۔ یہ آیت خدا تعالیٰ نے روزوں کے ساتھ بیان کی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ اس کا روزوں سے بہت گہرا تعلق ہے اور اس کے روزوں کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ...... ماہ رمضان میں مسلمانوں کی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی پھیلی ہوئی چیز محدود ہو جائے تو اس کا زور بہت بڑھ جاتا ہے۔ جیسے دریا کا پاٹ جہاں تنگ ہوتا ہے وہاں پانی کا بڑا زور ہوتا ہے۔ اسی طرح رمضان کے مہینے میں وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو دعا کی قبولیت کا باعث بنتے جاتے ہیں۔ اس مہینہ میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہوتی ہے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ پھر سحری کے لئے سب کو اٹھنا پڑتا ہے اور اس طرح ہر ایک کو کچھ نہ کچھ عبادت کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس وقت لاکھوں انسانوں کی دعائیں جب خدا تعالیٰ کے حضور پہنچتی ہیں تو خدا تعالیٰ ان کو رد نہیں کرتا بلکہ ان کو قبول فرماتا ہے۔ کرب کی حالت میں ترقی ہے پھر کس طرح ممکن ہے کہ ان کی دعا قبول نہ ہو........ پس رمضان کا مہینہ دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے یہی وہ مہینہ ہے جس میں دعا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے "قریب" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں اگر وہ قریب ہونے پر بھی نہ مل سکے تو اور کب مل سکے گا۔" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۰۹)

دیگر متفرق مسائل

رمضان کی آمد آمد ہے اس سلسلہ میں روزوں کے بارے میں اہم مسائل کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس طرح کے مسائل عمومی ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے حالات اور واقعات کی نوعیت کے اعتبار سے "دارالافتاء ربوہ" سے رجوع کر کے مفتی سلسلہ احمدیہ سے فتویٰ لیا جانا چاہئے۔ بہرحال عمومی

نوعیت کے مسائل و احکام درج ذیل ہیں۔ ان کی مزید تفصیل کیلئے مرکز کی طرف شائع شدہ کتاب "فقہ احمدیہ (عبادات)" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

روزہ اور نیت

روزے کیلئے نیت بہت ضروری ہے۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے۔ حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"روزہ صرف اس شخص کا ہے جس نے فجر سے پہلے پختہ عزم کے ساتھ روزہ کی نیت کر لی ہو۔" (ترمذی)

بعض خاص حالات میں اگر فجر سے پہلے نیت کرنے میں کوئی عذر ہو تو دن کے وقت بھی نیت ہو سکتی ہے۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک بار دوپہر سے پہلے خبر ملی کہ کل رمضان کا چاند مدینہ کی کسی مضافاتی بستی میں دیکھ لیا گیا تھا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا جس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ کی نیت کر لے۔ (ابوداؤد)

روزہ اور سحری

روزہ رکھنے کیلئے سحری کھانا مسنون ہے اور برکت بھی اس میں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔" (بخاری کتاب الصوم)

البتہ یہ نہیں کہ اگر کوئی سحری نہیں کھا سکا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے سوال کیا گیا کہ سحری کے بغیر روزہ رکھنا (آٹھ پہرا روزہ) برائے تزکیہ نفس درست ہے تو فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھنا بڑا ضروری ہے۔ ہر ایک نیکی کا کام اسی وقت نیکی کا کام ہو سکتا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ اور آنحضرت ﷺ کے عمل درآمد کے موافق ہو۔ روزہ بغیر سحری کے رکھنا آنحضرت ﷺ نے عام لوگوں کیلئے پسند نہیں فرمایا۔"

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۸۰)

فدیہ

اگر انسان مریض ہو خواہ وہ مرض لاحق ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں روزہ رکھنا یقیناً مریض بنا دے گا جیسے حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت وغیرہ اور ایسے شخص کو آسودگی حاصل ہو تو ایک آدمی کا کھانا کسی کو دے دینا چاہئے۔ اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو نہ سہی ایسے شخص کی نیت ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے روزہ کے برابر ہے۔

روزہ توڑ دینا

جو شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دیتا ہے وہ سخت گناہ کا کام کرتا ہے۔ ایسے شخص پر کفارہ واجب ہوگا یعنی مسلسل ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر قیمت دینا ہوگی۔

کفارہ دراصل توبہ کی غرض سے ہوتا ہے اور توبہ کے سلسلہ میں اصل چیز حقیقی ندامت ہے جو دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ کیفیت ہے لیکن اس میں یہ استطاعت نہیں کہ ساٹھ روزے رکھ سکے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکے تو اس صورت میں استغفار ہی اس کے لئے کافی ہوگا۔ اگر کوئی شخص شدت پیاس یا کسی اور عذر کی بناء پر مجبور ہو کر روزہ توڑ دے تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا بلکہ صرف اس روزے کی قضاء واجب ہوگی۔

روزے کے دوران ٹیکہ وغیرہ نہیں لگوانا چاہئے۔ کیونکہ جب کوئی بیمار ہے تو روزہ ہی کیوں رکھے گا۔ یوں مسئلہ کے طور پر جلدی ٹیکہ مثلاً چیچک کے ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور انٹرامسکولر اور انٹراوینس سے اور اسی طرح انیما وغیرہ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

مسواک، آنکھوں میں دوائی ڈالنا، خوشبو سونگھنا، کلی کرنا وغیرہ سے نہ تو روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے البتہ ٹوتھ پیسٹ کرنا غیر پسندیدہ ہے۔ روزہ کی حالت میں اگر بھول سے کچھ کھا پی لیا جائے تو روزہ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسی صورت میں بہتر ہے کہ اسے یاد نہ دلایا جائے۔ خون دینے سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں ہے لیکن چونکہ کمزوری ہو جاتی ہے تو بہتر ہے کہ روزہ کھول دے۔

رمضان المبارک کے چھوٹے ہوئے روزے بعد میں پورے کئے جانے ضروری ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلسل رکھے جائیں۔

مشعل راہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس خدام الاحمدیہ کے ابتدائی ایام میں ایک خطبہ جمعہ کے دوران دیانت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"میں خدام الاحمدیہ سے کہتا ہوں کہ یہ تینوں قسم کی دیانتیں تم لوگوں کے اندر پیدا کرو۔ جس کا ذریعہ تمہارے پاس موجود ہے کیونکہ نوجوانوں کی باگ تمہارے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ تم نوجوانوں میں قومی دیانت بھی پیدا کرو۔ تم نوجوانوں میں تجارتی دیانت بھی پیدا کرو اور تم نوجوانوں میں اخلاقی دیانت بھی پیدا کرو۔

تجارتی دیانت کے معنی صرف تجارت اور لین دین کے معاملات میں ہی دیانتدارانہ رویہ اختیار کرنے کے نہیں بلکہ نوکری بھی اسی میں شامل ہے کیونکہ نوکر اپنا وقت دوسرے کو دیتا ہے۔ پس جس طرح ہر تاجر کا فرض ہے کہ وہ تجارت میں دیانتداری سے کام لے اسی طرح ہر ملازم کا بھی فرض ہے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ کام کرے۔ دیانتدار نوکر کی ہر کوئی قدر کرتا ہے اور اسے بلا بلا کر رکھتا ہے لیکن اگر کسی کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ کام نہیں کرتا تو اس کی قدر دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔ پس قومی دیانت، تجارتی دیانت اور اخلاقی دیانت اپنے اندر پیدا کرو"۔

(خطبہ جمعہ ۱۷ فروری ۱۹۳۹ء: الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء۔ مشعل راہ صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹)

۱۲ فروری ۱۹۵۱ء کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ایک اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے حضرت خلیفہ المسیح الثانی المصلح الموعود نے فرمایا:۔

"جو نصائح کی جاسکتی ہیں وہ تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہوں گی اور پھر وہ مختلف حالات میں بدلتی رہتی ہیں مگر اس زمانے میں سب سے بڑی ضرورت سچائی کی ہے۔ انبیاء نے اس پر خاص زور دیا ہے اور انسانی اخلاق کا یہ ایک بنیادی حصہ ہے سچائی اور راستی پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب اس کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو بلکہ کفار کے نزدیک بھی یہ چیز بڑی قیمتی سمجھی جاتی تھی اور شائد ہی کسی زمانہ میں اسے ترک کرنا جماعتی اور سیاسی طور پر تسلیم کیا گیا ہو۔ مگر اس زمانہ میں سیاسی اور قومی مفاد کے لئے استعمال کیا جاتا بلکہ اسے ایک نہایت ضروری چیز قرار دیا جاتا ہے اور یہ مرض اس قدر پھیل گیا ہے کہ ہمارے ملک میں لوگ بڑی اطمینان کے ساتھ قسمیں کھا کھا کر جھوٹ بولتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات پر ناراض بھی ہوتے ہیں کہ ہمارے اس جھوٹ کو سچ تسلیم کیوں نہیں کیا جاتا۔ عدالتوں میں پہلے یہ رواج تھا کہ گواہ کے ہاتھ میں قرآن کریم دے کر اس سے قسم لیتے تھے اور اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ قرآن کریم میں جو وعید نازل ہوئے ہیں انہیں مدنظر رکھتے ہوئے میں قسم کھاتا ہوں اور اگر میری قسم جھوٹی ہو تو مذکورہ وعید اور سزائیں مجھے ملیں لیکن گواہوں میں سے کئی ایسے ہوتے تھے جو قسم کھا کر بھی جھوٹ بولتے تھے"۔ (الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۶۱ء)

صدیق اکبرؓ - رفیق غار

مکرم سعد محمود باجوہ صاحب

لیک آں صدیق حق معجز نخواست
گفت ایں روخود نہ گوید غیر است

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:-

"سید ولد آدم حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور فتح عظیم کا بار خدا تعالیٰ نے اپنے اوپر لیا تھا اور آپ کو فرمایا تھا کہ تیرا تو صرف یہ فرض ہے کہ تو پیغامبر ہونے کا کام سرانجام دے مگر ساتھ ہی جہاں آپ کا وہ روحانی رفیق موجود تھا دنیاوی لوازمات کے لئے ایک دنیاوی و جسمانی رفیق حضرت ابو بکرؓ بھی آپ کے ساتھی بنائے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی نسبت فرمایا کہ یہ نمازوں کی وجہ سے بڑا نہیں ہوا بلکہ اس کی وجہ سے ہوا ہے جو کہ اس کے دل میں ہے۔"

(برکات خلافت۔ انوار العلوم: جلد نمبر۲ صفحہ ۲۵۵)

نام و نسب

آپ کا نام عبداللہ، والد کا نام عثمان بن عامر تھا۔ کنیت ابو قحافہ تھی۔ شجرہ نسب آٹھویں پشت میں آنحضرت ﷺ سے جاملتا ہے۔ والدہ کا نام سلمٰہ بنت صخر بن عامر تھا اور کنیت ام الخیر مشہور تھی۔ بعض روایات میں زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعبہ بھی آیا ہے۔ آپ حضرت نبی کریم ﷺ کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو بکر، لقب صدیق اور خطاب عتیق تھا۔ جس کے معنی آزاد کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ عتیق من النار یعنی آگ سے آزاد بیان کی جاتی ہے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جز۴ صفحہ ۱۰۲۔ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ازواج و اولاد

طبری میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کل چار نکاح کئے تھے۔ دو اسلام سے قبل اور دو اسلام کے بعد، اسلام سے پہلے جن خواتین سے آپ نے عقد کیا ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت قتیلہ بنت عبد العزیٰ۔ ام رومان بنت عامر بن عمیرہ۔ اور اسلام کے بعد حضرت اسماء بنت عمیس اور حبیبہ بنت خارجہ ہیں۔

(طبری جلد دوئم صفحہ ۶۱۶۔ ابن اثیر میں بھی یہی ہے)۔

اولاد

حضرت ابو بکر کی اولاد تین لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ عبدالرحمن۔ عبداللہ اور محمد بن ابی بکر۔ اور لڑکیوں کے نام یہ ہیں بنت قتیلہ۔ ام المومنین حضرت عائشہ۔ بنت ام رومان۔ ام کلثوم بنت حبیبہ بنت خارجہ۔

سیرت ابو بکر کے چند درخشاں پہلو

شوق عبادت اور محبت رسولؐ آپ کی سیرت کے بہترین پہلو ہیں۔ ان کے بارہ میں بہت سی روایات اور واقعات ملتے ہیں جن میں چند ایک ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

آپ کے ابتدائے اسلام کا ایک واقعہ ہے ابھی مسلمان چالیس افراد سے بھی کم تھے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے بڑے اصرار

کے ساتھ خانہ کعبہ میں اعلانیہ عبادت کرنے کی درخواست کی اور مجبور کر کے آپ کو خانہ کعبہ لے گئے۔ کفار نے خانہ کعبہ میں عبادت کرتے دیکھ کر حضرت ابوبکر کو خوب پیٹا یہاں تک کہ آپ کو اٹھا کر گھر پہنچایا گیا۔ جب ذرا آرام آیا تو پوچھنے لگے میرے آقا کا کیا حال ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ بیعت کے بعد آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی اور آپ اشاعت دین اور حفاظت رسول ﷺ کے لئے آپؐ کے آگے پیچھے نظر آتے اور آپ ہی کی خاطر اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ ایک دفعہ ایک کافر نے ایک کپڑا آنحضرت ﷺ کے گلے میں ڈال کر بل دینے شروع کئے یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے۔ آپ کو چھڑایا اور کہا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

تقویٰ و طہارت

تقویٰ و طہارت آپ کی سیرت کے درخشاں پہلوؤں میں سے ایک ہے جس طرح ایک تندرست معدہ مکھی یا اس طرح کی کوئی اور نجس چیز برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ کا معدہ کسی ایسی چیز کو برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا جو معنوی نجاست و گندگی رکھتی ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کا غلام تھا اس نے ایک مرتبہ کوئی چیز لا کر دی۔ حضرت ابوبکر نے جب کھالی تو غلام بولا آپ جانتے تھے وہ کیا چیز تھی۔ پوچھا کیا تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں عہد جاہلیت میں جھوٹ موٹ کہانت کا کام کرتا تھا یہ چیز اسی کا معاوضہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سنتے ہی قے کر دی اور جو کچھ پیٹ میں تھا اسے خارج کر دیا۔

(صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۴۲)

ایک دفعہ ایک شخص آپ کو ایک راستے سے اپنے گھر لے کر جا رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اس سے واقف نہیں تھے۔ پوچھا یہ کونسا راستہ ہے؟ اس شخص نے کہا اس راستے میں سے ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی ہم کو شرم آتی ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ کیا خوب! گزرتے ہوئے شرم بھی آتی ہے اور پھر اسی راہ سے جا رہے ہو۔ تم جاؤ میں نہیں جاؤں گا۔

(کنز العمال، مسند احمد بن حنبل جلد چہارم صفحہ ۳۴۷)

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا یہ حال تھا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر تحریک کی گئی تو گھر کا سارا مال لا کر پیش کر دیا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جتنا فائدہ مجھے ابوبکرؓ کے مال نے دیا اتنا کسی مال نے نہیں دیا۔

(اسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۸)

رزق حلال کا اتنا خیال تھا کہ خلافت کے دوسرے روز ہی کپڑوں کی گٹھڑی اٹھا کر روزی کمانے چلے تو راستے میں بعض جلیل القدر صحابہ ملے انہوں نے کہا اب آپ کا خرچ بیت المال ادا کرے گا۔ آپ دوسری قومی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔

(الطبقات الکبریٰ جلد سوم صفحہ ۱۸۴)

دعائیں

آپ کو دعاؤں سے بھی خاص رغبت اور شغف تھا۔ اور اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق اس تلاش میں رہتے تھے کہ اپنے مولیٰ سے کیا مانگیں اور کیسے مانگیں اور بار بار نبی پاک ﷺ سے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے پوچھا۔ ایک دفعہ عرض کیا کہ مجھے اپنی نماز میں پڑھنے کیلئے کوئی عمدہ سی دعا بتائیں۔ آنحضور ﷺ نے یہ دعا سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ظُلْمًا کَثِیْرًا فَاغْفِرْلِی مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِی اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

(مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۴)

کہ اے اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ بہت زیادہ ظلم پس مجھے بخش دے۔ خاص اپنے پاس سے مغفرت عطا کر اور مجھ پر رحم کر یقیناً تو بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

ایک اور واقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ دعا سکھائی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا

وَالْآخِرَةِ (ترمذی ابواب الدعوات)

کہ اے اللہ میں تجھ سے معافی اور حفاظت کا طلبگار ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس دعا کی طرف خاص توجہ دلایا کرتے اور فرماتے تھے کہ ایمان کے بعد عافیت کی دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں یعنی ایمان کی سلامتی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۵)

اطاعت رسول

آپ میں استغنا اور اطاعت کا نہایت اعلیٰ جذبہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت نبی کریم ﷺ نے سوال کرنے سے منع فرمایا۔ اس ارشاد کی ایسی کامل اطاعت کر کے دکھائی کہ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور اونٹ کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جاتی تو اسے بٹھا کر خود نیچے اتر کر اپنے ہاتھ سے اٹھاتے۔ صحابہ عرض کرتے کہ آپ ہمیں حکم فرماتے آپ جواب دیتے میرے حبیب رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ لوگوں سے سوال نہیں کرنا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۵)

حضرت اقدس مسیح موعود کی نظر میں آپ

کا مقام

صحابہ کرامؓ کے مراتب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

"آنحضور ﷺ کے بعد جو کچھ اسلام کا بنا ہے وہ اصحاب ثلاثہ سے ہی بنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا ہے وہ اگرچہ کچھ کم نہیں مگر ان کی کارروائیوں سے کسی طرح صدیق اکبرؓ کی خفت نہیں ہو سکتی کیونکہ کامیابی کی پٹڑی تو صدیق اکبر نے ہی جمائی تھی اور عظیم الشان فتنہ کو انہوں نے ہی فرو کیا تھا۔ ایسے وقت میں جن مشکلات کا سامنا حضرت ابوبکرؓ کو پڑا وہ حضرت عمرؓ کو ہرگز نہیں پڑا۔ پس صدیق نے راستہ صاف کر دیا تو پھر اس پر عمرؓ نے فتوحات کا دروازہ کھولا۔"

(ملفوظات جلد ۳ نیا ایڈیشن صفحہ ۶۲۲)

نیز فرمایا کہ

"مجھے علم دیا گیا ہے کہ صدیق (اکبر) تمام صحابہ میں بلند شان اور ارفع مقام رکھتے ہیں۔ صدیق (اکبر) کے لئے اتنی برکات و حسنات ہیں جن کو گنا اور شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی گردنوں پر ان کے ایسے احسانات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جو اول درجہ کا حد سے گذرا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود کو مومنوں کے لئے امن کا موجب بنا دیا اور آپ کے ذریعہ کافروں اور مرتدوں کی لگائی ہوئی آگ کو بجھا دیا۔ جمع قرآن میں آپ نے انتہائی محنت و سعی کی۔ ہجرت اور مصیبت کے وقت آنحضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ آپ سید الکائنات ﷺ کی محبت میں فنا تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ثانی اثنین کی خلعت سے نوازا۔"

(اردو ترجمہ از سر الخلافہ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۳ تا ۳۳۹)

آنحضرت ﷺ کو ایک دفعہ حضرت جبرائیل نے یہ خبر دی کہ حضرت ابوبکر کو کہہ دیں کہ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے"

حضرت ابوبکرؓ نے ایک موقعہ پر یہ آیت پڑھی يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسی پیاری آیات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر فرشتے بوقت وفات تجھے بھی یہی خوشخبری سنائیں گے۔ کیونکہ تو بھی اسی مقام پر فائز ہے۔ (کنز العمال مناقب ابوبکرؓ)

پس سلامتی ہو اس محب رسول ﷺ پر جس پر خدا اور اس کا رسول ﷺ دونوں راضی ہو گئے۔

- "خدام الاحمدیہ کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد سائنس کے ابتدائی اصولوں سے واقف ہو جائے۔"
(مشعل راہ صفحہ ۵۲۲)

- "اردو زبان کو اپناؤ اور اس کو اتنا رائج کرو کہ یہ تمہاری مادری زبان بن جائے اور تمہارا لہجہ اردو دانوں کا سا ہو جائے۔"
(مشعل راہ صفحہ ۶۲۵)

- "خود بھی چندہ دیں اور دوسروں کو بھی چندہ دینے پر مجبور کریں۔"
(مشعل راہ صفحہ ۶۳۲)

- "ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہیئے۔"
(مشعل راہ صفحہ ۶۱۶)

[1] عبدالسلام (محترم ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب نوبل انعام یافتہ)

تعارف کتب

"پرانی تحریریں"

(مکرم احسن سعید صاحب۔ لاہور)

یہ کتاب دراصل ان مضامین کا مجموعہ ہے جو حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے براہین کی تصنیف سے پہلے مختلف اخبارات میں ویدازم کے بنیادی عقائد مثلاً تناسخ، روحوں کا قدیم اور انادی ہونا اور انکار الہام کے رد میں شائع فرمائے۔ ان مضامین کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا کام حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی نے ۱۸۹۹ء میں سرانجام دیا۔

یہ کتاب بنیادی طور پر تین مضامین پر مشتمل ہے۔

۱۔ ابطال تناسخ و مقابلہ وید و فرقان۔

۲۔ الہام کی حقیقت۔

۳۔ آریوں کے مسئلہ قدامت روح و مادہ کا ابطال۔

ابطال تناسخ و مقابلہ وید و فرقان

اس مضمون کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ قادیان کے آریہ صاحبان نے حضرت اقدس سے مباحثہ کرانے کی غرض سے پنڈت کھڑک سنگھ کو قادیان بلایا۔ یہ پنڈت صاحب آریہ سماج امرتسر کے رکن تھے اور ان کے متعلق مشہور تھا کہ یہ چاروں ویدوں کے باکمال عالم ہیں۔ پنڈت جی نے قادیان آکر حضرت صاحب سے تناسخ و مقابلہ وید و فرقان" کے موضوع پر بحث کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ بحث کے لئے سرکاری پرائمری سکول کے پاس واقع بڈھن شاہ کا تکیہ قرار پایا۔ حضرت اقدس نے ایک مضمون لکھا جو اس کتاب کے بالکل ابتداء میں درج ہے۔ جب وقت مقرر پر یہ مضمون پنڈت جی کے سامنے پڑھا گیا اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس کا رد وید سے ثابت کریں۔ دو تین دن تو پنڈت جی فضول اور لغو باتوں سے جواب ٹالتے رہے مگر جب حضرت اقدس کی طرف سے اصرار بڑھا تو بجائے اس کے کہ پنڈت جی جواب دیتے انہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف بے ہودہ اور سراپا جھوٹے اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ بھلا آپ جو اپنے آقا و مولیٰ کے سچے فدائی تھے ایسے موقع پر خاموش کیسے رہ سکتے تھے۔ آپ نے پنڈت صاحب کے اعتراضات کا ایسے مدلل انداز میں رد کیا کہ اس کو چپ ہوتے ہی بنی۔ مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر منتظمین نے مباحثہ برخاست کر دیا۔

مباحثہ کا نتیجہ اس وقت تو بظاہر سامنے نہ آیا مگر کچھ عرصہ کے بعد وہی پنڈت جی ویدازم ترک کر کے عیسائی ہو گئے اور اس پر بس نہیں بلکہ انہوں نے بعد میں ویدازم کے خلاف سلسلہ وار مضامین بھی لکھے۔ ایک دفعہ جب کسی نے ان سے حضرت اقدس کے متعلق اس مباحثہ کے حوالے سے پوچھا کہ حضرت مرزا صاحب کا طریقہ استدلال وغیرہ کیسا ہے۔ تو انہوں نے برملا کہا کہ ہر شخص کا بس نہیں کہ وہ مرزا صاحب کا مقابلہ کر سکے ان کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے اور اپنے بیان سے ہلتے نہیں ہیں۔

ابطال تناسخ پر حضور اقدس نے اپنا یہ مضمون اس التزام سے مرتب کیا کہ تمام دلائل اس کے قرآن مجید سے لئے گئے اور کوئی بھی ایسی دلیل نہ لکھی کہ جس کا ماخذ اور منشا قرآن مجید نہ ہو۔ پھر یہ مضمون ایک جلسہ عام میں پنڈت کھڑک سنگھ کے سامنے جن کی خواہش پر یہ بحث شروع ہوئی تھی پیش کیا گیا۔

اس میں سب سے پہلے حضرت اقدس نے آریہ سماج کے پہلے اصول جو مدار تناسخ ہے کا رد فرمایا۔ اس اصول کے مطابق سب ارواح مثل پرمیشر کے قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی

پرمیشر ہیں۔

حضرت اقدس نے اس کے رد میں قرآنی آیت اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (رعد:١٧) پیش فرمائی۔ اس آیت کے ذریعہ حضور نے یہ استدلال فرمایا کہ اگر ہم خدا کو "خالق کل شی" نہیں مانیں گے تو پھر وہ واحد و قہار بھی نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ حضور اقدس نے پانچ اور دلیلیں پیش کی ہیں جو سب قرآنی آیات پر مبنی ہیں جن سے حضور اقدس۔ نے عقلی طور پر اس عقیدے کا رد فرمایا ہے۔

مسئلہ الہام پر بحث

یہ بحث دراصل ان خطوط پر مشتمل ہے جو حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور پنڈت شیو نارائن اگنی ہوتری کے درمیان لکھے گئے۔

اس بحث کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ پنڈت موصوف جو لاہور گورنمنٹ سکول کے ڈرائنگ ماسٹر تھے۔ ایک اخبار "ہندو باندھو" کے ایڈیٹر و مالک بھی تھے۔ اس زمانہ میں حضرت اقدس کے بعض مضامین غالباً "نور افشاں" کے اعتراضات کے رد میں اس اخبار میں شائع ہوئے۔ اس وجہ سے پنڈت صاحب کا حضرت اقدس سے ایک تعلق تھا کیونکہ پنڈت صاحب وید ازم کے پیروکار تھے اور الہام کے اول المنکرین جب کہ حضرت بانی سلسلہ الہام کے اول درجہ کے مدعی۔ پس آپ اور پنڈت جی کے درمیان اس موضوع پر کہ آیا الہام کا وجود ہے یا نہیں خط و کتابت شروع ہوئی جو ایک تحریری مباحثہ کی صورت اختیار کر گئی۔

اس مباحثہ میں کل پانچ خطوط ہیں۔ تین حضرت اقدس کی جانب سے اور دو پنڈت جی کی طرف سے۔ پنڈت جی نے ان خطوط کو اپنے اخبار "ہندو باندھو" میں شائع بھی کروادیا تھا۔

اس مباحثہ کا نتیجہ گو کہ مباحثہ کے اختتام پر باضابطہ طور پر تو نہیں نکلا مگر کچھ عرصہ بعد نکلا جب پنڈت جی نے وید ازم چھوڑ کر ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی اور دعویٰ کیا کہ خدا براہ راست ان سے مخاطب ہوتا ہے۔ وہ شخص جو دعویدار ہی اس بات کا تھا کہ الہام کا کوئی وجود نہیں خود الہام کا مدعی بن بیٹھا۔ بھلا اس سے بڑھ کر فتح کیا ہو سکتی ہے۔

واقفین نو کی تیاری میں پہلے سے زیادہ بڑھ کر سنجیدہ ہو جائیں

"واقفین نو کی فوج ہے اس پر آئندہ بیس سال تک بہت بڑی بڑی ذمے داریاں پڑنے والی ہیں۔ اور اس پہلو میں جماعت کے اس حصے کو نصیحت کرتا ہوں جس کو خدا تعالیٰ نے وقف نو میں شمولیت کو توفیق عطا فرمائی کہ وہ تحریک جدید کی ہدایات کے مطابق اپنے بچوں کی تیاری میں پہلے سے زیادہ بڑھ کر سنجیدہ ہو جائیں اور بہت کوشش کر کے ان واقفین کو خدا تعالیٰ کی راہ میں عظیم الشان کام کرنے کے لئے تیار کرنا شروع کریں۔"

(خطبہ جمعہ حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ یکم دسمبر ١٩٨٩ء: مرسلہ وکالت وقف نو)

ڈاکٹر عبدالسلام کی باتیں کچھ اپنی کچھ اپنوں کی زبان میں

(پروفیسر میاں محمد افضل صاحب)

ایک شمع فروزاں بجھ گئی۔ ایک روشن دماغ نے اندھیروں کو اجالوں میں بدلا۔ علم کی شمعیں جلائیں۔ علم کے افق پر یوں معلوم ہوا گویا چراغاں ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس علم کے نور سے اپنے ملک کو روشن کرے۔ اپنے سائنسدانوں کو متمتع کرے۔ اپنے ملک کو اعزاز بخشے۔ وہ سب کچھ جو وہ حاصل کر چکا ہے اپنے ملک کی جھولی میں ڈال دے۔ مگر کچھ ایسے بھی اندھیرے ہوتے ہیں جو روشنیوں کو کھا جاتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی کور چشم ہوتے ہیں جنہیں روشنی نظر ہی نہیں آتی۔ مگر کیا ایسا کرنے سے روشنی بجھ جاتی ہے؟ آنکھیں بند کر کے روشنی کا انکار تو کیا جا سکتا ہے لیکن اسے بجھایا نہیں جا سکتا۔ آیئے دیکھیں وہ کون تھا جس نے دنیائے سائنس میں ایک چکا چوند پیدا کر دی۔ محترمہ زاہدہ حنا کے الفاظ میں یہ وہ شخص ہے۔

"جو مغرب و مشرق کی دو درجن سے زیادہ یونیورسٹیوں کا اعزازی ڈگری یافتہ ہے، جسے دو درجن سے زیادہ اعلیٰ ترین بین الاقوامی اعزازات سے نوازا جا چکا ہے جو دو درجن سے زیادہ اہم ترین سائنسی اور تحقیقی کام کرنیوالی سوسائٹیوں کی فیلو شپس اور ممبر شپس رکھتا ہے، اسے آپکی اور میری تعریف و توصیف کی ذرہ برابر بھی ضرورت نہیں"

یہ کس شان کی شخصیت تھی۔ کتنی عزت دی انہیں دنیائے علم نے اور کیا قدر کی ہم نے، اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے پہلے محترمہ زاہدہ حنا کے الفاظ میں۔

"یہ شخص طبیعات کا نوبل انعام لینے جاتا ہے تو سویڈن کے بادشاہ اور ملکہ اس کا انتظار کرتے ہیں۔ شاہی خاندان کے سامنے اس کی آمد کا اعلان بگل بجا کر کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے ہزارہا سائنسدان، دانشور اور طالب علم سروقد کھڑے ہو کر اسکی تعظیم کرتے ہیں لیکن یہی نوبل انعام یافتہ سائنسدان جب اپنے ملک کا رخ کرتا ہے تو برسر اقتدار خواتین و حضرات اسے ملاقات کا وقت نہیں دیتے۔ معمولی سرکاری اہل کار سائنس کی ترقی کیلئے اس کی بیش قیمت تجاویز اور پیشکشوں کے معاملات کو سرد خانے میں ڈال دیتے ہیں اور اسی شہر کا ایک تعلیمی ادارہ اسے اپنے یہاں مدعو کرتا ہے تو مذہبی جنونیوں کا ایک ٹولہ اسکی آمد کو کفر و اسلام کی جنگ میں تبدیل کر دیتا ہے"

اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر پرویز ہود بھائی لکھتے ہیں۔

"مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب قائد اعظم یونیورسٹی کے فزکس ڈیپارٹمنٹ نے ڈاکٹر سلام کے نوبل پرائز حاصل کرنے کے بعد ان کو ایک لیکچر دینے کے لئے اپنے ہاں دعوت دینے کا خیال کیا۔ لیکن ایک ہنگاموں کی ماہر مذہبی سیاسی پارٹی کے طلباء کی تنظیم نے دھمکی دی کہ اگر وہ قائد اعظم یونیورسٹی میں کے کیمپس میں آئے تو وہ تشدد کا استعمال کریں گے۔ اس پر اس خیال کو ترک کر دیا گیا۔"

یہ تو کی ناواقفوں نے علم کی قدر اور ایک عالم کی عزت افزائی، اب ان کا ردعمل ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر پرویز ہود بھائی مزید لکھتے ہیں۔

"نہ صرف یہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کئی امور کے باوجود ڈاکٹر سلام نے کبھی کسی قسم کی تلخی کا اظہار نہ کیا اور اپنے ملک کے لئے وہ جو کچھ بھی کر سکتے تھے کرتے رہے۔"

فرائی ڈے ٹائمز ۴ دسمبر ۱۹۹۶ء لکھتا ہے۔

"جب ڈاکٹر سلام کے خلاف اسلام آباد میں مظاہرہ ہوا تو وہاں کی یونیورسٹی نے ان کا داخلہ کیمپس میں ممنوع قرار دے دیا۔ (ہاں دہشت گردوں کا داخلہ یونیورسٹی ممنوع قرار دینے سے قاصر رہی۔ مگر

یہ تو جوہری توانائی کے علم سے لدے ہوئے ایک نہایت ہی "خطرناک" دہشت گرد تھے۔ اس لئے یونیورسٹی کے ارباب بست و کشاد ایسی حماقت تو نہیں کرسکتے تھے کہ ایسے شخص کو یونیورسٹی کیمپس میں گھسنے دیں۔ ناقل) اور پاکستان ٹیلی ویژن کو ان کے خطاب میں سے کلمہ کو ختم کرنا پڑا۔

یہ تو کی گئی ایک عالم کی قدر دانی اس ملک میں جس کی ترقی، جس کی سائنسی ترقی کیلئے وہ کڑھتا رہا، کراہتا رہا اور جس کے لئے اس نے اپنی ساری توانیاں وقف کر دیں۔ اپنی دولت پیش کر دی۔ اب اس عظیم سائنسدان کا ایک اور پہلو ملاحظہ کیجئے۔ اپنوں نے علم کی اور عالم کی کیا قدر کی۔ یہی اخبار لکھتا ہے۔

"جس وقت پاکستان میں جنرل ضیاء کا دور حکومت تھا اس وقت ڈاکٹر سلام نے اس ملک کا متنازعہ دورہ کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے سکول کے ٹیچر کی تلاش میں ہندوستان پہنچے تھے۔ وہاں ان کا استقبال زیادہ مخلصانہ تھا۔ انہوں نے اپنا نوبل میڈل اتارا اور اسے ابھی تک کے زندہ پرائمری سکول کے ٹیچر کے گلے میں ڈال دیا" یہ تھی ایک عالم کے دل میں علم کی قدر کہ ایک چھوٹے سے استاد کو بھی اتنی پذیرائی دی کہ علم کا بول بالا ہو گیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی شخصیت کا ایک اہم پہلو انکی وطن سے محبت ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے اور لکھا گیا ہے۔ ان میں پاکستان کی مٹی کی خوشبو کچھ ایسی رچ بس گئی تھی۔ انہیں اس مٹی سے اتنی محبت تھی کہ یورپ کی چکا چوند ان کے دل سے وطن کی محبت کم نہ کر سکی۔ وہ پڑھائی کے سلسلہ میں انگلستان تین سال کے لئے گئے مگر دو سال بعد ہی وطن کی محبت انہیں واپسی پہ اکسانے لگی۔ بزرگوں دوستوں کے مشوروں سے بمشکل ایک اور سال مکمل کیا۔ ۱۹۵۱ء میں واپس آئے تو خوش ہوئے کہ وطن کی خدمت کا موقع ملا۔ مگر اپنے مادر علمی کی خدمت کے شوق میں وہاں پہنچے اور انہیں بطور پروفیسر قبول کر لیا گیا۔ آپ نے اپنی کتاب Ideals & Realities میں اس پہلے انٹرویو کا ذکر کیا ہے جو اس کالج کے پرنسپل کے ساتھ ہوئی۔ اس علم کے متلاشی کو دعوت کیا دی جارہی ہے۔ پرنسپل صاحب نے فرمایا۔

"آپ کو کالج کے تین کاموں میں سے کسی ایک کا انتخاب کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ کسی کالج کے ہوسٹل کے وارڈن بن سکتے ہیں یا اس کے اکاؤنٹ کے چیف خزانچی (گویا کہ ایک بہت بڑے عالم کو اکوشٹ کا جلیل القدر عہدہ پیش کیا جارہا ہے۔ ناقل) اور اگر آپ پسند کریں تو اس کی فٹ بال کلب کے صدر کا عہدہ سنبھال لیں۔"

گویا بجائے علمی ماحول مہیا کرنے کے بجائے عملی کام تفویض کرنے کے انہیں خزانچی یا وارڈن یا فٹ بال کا انچارج بنایا جارہا ہے۔ اس کے متعلق ڈاکٹر سلام اسی کتاب میں فرماتے ہیں۔

"جب میں پلٹ کر اپنے لاہور کے قیام پر غور کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں بے حد شدید تنہائی محسوس کرتا تھا۔ اگر اس وقت کوئی مجھے کہتا کہ میں تم کو یہ سہولت فراہم کرتا ہوں کہ تم ہر سال یورپ یا امریکہ کے ایک فعال مرکز میں اپنی تعطیلات کے تین مہینے اپنے جیسوں کے ساتھ گذار سکو تو میرا جواب اثبات میں ہوتا۔ مگر کسی نے مجھے یہ تجویز نہ دی۔ اس وقت میں محسوس کرتا تھا اور آج بھی محسوس کرتا ہوں کہ ذہین آدمیوں کی جلاوطنی روکنے کیلئے یہ ایک موثر طریقہ ہے کہ انہیں خوش رکھا جائے اور اپنے جیسے ممالک کے ساتھیوں میں رکھا جائے۔"

لیکن افسوس انہیں اپنے ملک میں اتنی بھی سہولت نہ دی جا سکی۔ حتی کہ جب وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک کانفرنس میں شرکت کیلئے ہندوستان گئے تو واپسی پہ انہیں غیض و غضب کا نشانہ بنایا گیا۔ گویا پوچھا جارہا ہے کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیا کہ عالموں کی محفل میں جا شریک ہوئے۔ اب ہو گا نہ ایک عالم، ایک سائنسدان ایسے سلوک سے بددل، وہ تو اس ماحول کا متلاشی ہے جہاں علم کی بات ہو، مگر یہاں تو کچھ اور ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ سو وہ سخت دل برداشتہ ہوئے مگر پھر بھی وطن کی محبت اتنی شدید تھی کہ وہ فوراً یورپ جانے کو تیار نہ ہوئے۔ اور پھر ۱۹۵۳ء میں آگے شعلے ابلنے لگی۔ خبریں یہ تھیں کہ ڈاکٹر سلام کی فیملی پر بھی حملہ کیا جانے والا ہے۔ لندن میں بیٹھا ہوا ان کا پروفیسران سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس نے آپ کو واپس آنے کی دعوت دی اور یقین دہانی بھی دلائی کہ انہیں فیلو شپ مل جائے گی۔ مگر ڈاکٹر سلام نے یہ پیشکش بھی قبول کرنے سے معذرت چاہ لی۔ وہ ان حالات میں بھگوڑے نہیں بننا چاہتے تھے۔ حالات خواہ کتنے ہی مخدوش ہوں وہ پاکستان نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ چاروں طرف آگ برس رہی ہے۔ مگر ڈاکٹر سلام ملک چھوڑنے کو تیار نہیں۔

اس کے بعد جولائی ۱۹۵۳ء میں ایک اور دعوت نامہ موصول ہوا۔ یہ کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے لیکچرر شپ کی نوید تھی۔ ایک بہت بڑا اعزاز.........، پہلا ہندو پاک کا شہری کیمبرج یونیورسٹی کا لیکچرر منتخب ہو رہا تھا۔ بڑی ہی پر کشش آفر مگر وطن کی کشش اب بھی غالب رہی۔ باوجودیکہ اس سلوک کے جو ان کے مادر علمی نے ان کے ساتھ کیا۔ اس لئے وہ سوچتے رہے، ہچکچاتے رہے۔ اپنا وطن چھوڑنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ دن پہ دن گذرتے گئے ستمبر کی ۳۰ تاریخ آگئی۔ آخری تاریخ جب تک انہیں اپنے فیصلہ کی اطلاع دینا تھی۔ دوستوں عزیزوں نے پہلے ایشیائی کا اتنا بڑا اعزاز قابل فخر گردانا۔ آخر ڈاکٹر سلام اسے قبول کرنے پر رضامند ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود ان کی سوچ مرکوز رہی پاکستان کی سائنسی ترقی پر جس کے لئے انہوں نے انگلستان میں بیٹھ کر ہی اور پھر صدر کا مشیر بن کر بہت کچھ کیا۔ اسی سوچ کی بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سلام کی کتاب کا حوالے دیتے ہوئے عبدالعزیز خالد صاحب (جنگ ۲۶ جولائی ۱۹۹۷ء) میں لکھتے ہیں۔

"اپنے مضامین میں یہ صاحب دل، حکیم عالم اسلام اور خصوصاً ارض پاکستان کی سائنس اور علوم و معارف سے بے اعتنائی اور بیگانگی پر رنجیدہ دل گرفتہ نظر آتا ہے۔ وہ بار بار مسلمانوں کی ذہنی پس ماندگی پر آنسو بہاتا ہے۔ انہیں ان کے اسلام کے عملی کارناموں کی یاد دلاتا ہے۔ جنہوں نے یورپ کو جہالت کی گہری نیند سے جگایا اور احیائے علوم کے دور کا آغاز کیا۔ مگر تاسف سے کہتا ہے کہ یہ بیدار بخت دوسروں کو بیدار کر کے خود خواب غفلت میں کھو گئے اور ایسے کھوئے کہ اب تک غنودگی کے عالم میں ہیں۔ پاکستان کے لئے اس غریب الدیار کا دل کس قدر کلپتا اور کڑھتا ہے اور پھر مسلم دنیا کے لئے کتنا فکر مند نظر آتا ہے۔"

ڈاکٹر سلام اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"میں پورے انکسار سے اسلامی ممالک سے اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ فیاضانہ رویہ اختیار کیجئے۔ ایک باصلاحیت فنڈ قائم کیجئے جو سب مسلمان ممالک، عرب اور ترقی پذیر دونوں طرح کے ممالک کے لئے ہو تا کوئی اعلیٰ صلاحیت والا سائنس دان ضائع نہ ہونے پائے"۔

مگر افسوس کہ ان ممالک نے ایک سائنسدان کی سائنسی ترقی کیلئے عجز و انکساری سے کی ہوئی اپیل پہ کان نہ دھرا۔ اور یہ سائنسدان اس بخل، اس بے اعتنائی پہ کڑھتا ہرا۔ دوسروں نے تو بے اعتنائی کی مگر پاکستان نے بھی اپنے اس عظیم سپوت کی، جس نے اپنی سوچ اور علم اور من پاکستان کیلئے وقف کر دیا۔ کچھ قدر نہ کی۔ عبدالعزیز خالد کہتے ہیں۔

"ہم اہل پاکستان نے اپنے اس جلیل القدر فرزند کے ساتھ کس سردمہری بیگانگی اور لاتعلقی کا سلوک کیا ہم نے اس زریں اور عالمگیر اصول کو پس پشت ڈال رکھا ہے کہ ہر انسان کو عقائد کے معاملہ میں مکمل آزادی ہونی چاہیے۔"

ڈاکٹر ہود بھائی فرماتے ہیں:۔

"میں کبھی بھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ باوجود اس کے کہ ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے ان کو درحقیقت جلاوطن کر دیا گیا ان کو اپنے ملک جس میں پیدا ہوئے تھے کیوں اتنی محبت تھی۔"

اور محترمہ زاہدہ حنایوں رقمطراز ہیں:۔

"ڈاکٹر عبدالسلام اس صدی میں طبیعات کے شعبے کی عظیم ذہانتوں میں سے ایک ہیں۔ جس دھرتی سے ان کا خمیر اٹھا اسے ان پر ناز کرنا چاہئے تھا لیکن یہ ان کی نہیں ہماری سیہ بختی ہے کہ ہم نے انہیں جلاوطنی اور بے توقیری کے عذاب میں ڈالا۔"

جناب عبدالعزیز خالد صاحب ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پاکستان کے مایہ ناز فرزند شہرہ آفاق سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے آخر جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ ان کی سرزمین وطن سے گہری اور اٹوٹ محبت کا ثبوت ہے کہ ان کی وصیت کے مطابق ان کے جسد خاکی کو اسی خاک پاک نے اپنی آغوش میں لیا۔"

اور ڈاکٹر انیس عالم نے لکھا:۔

"اس عظیم سائنسدان کی یہ صفت بے مثال ہے کہ وہ تیسری دنیا کے ملک پاکستان کی پیداوار ہونے پہ اتراتے ہیں، فخر کرتے ہیں، نازاں ہیں۔"

کتنا محب وطن ہے یہ عظیم سائنسدان، کتنا بڑا پاکستانی، ایک منبع نور، ایک روشنی کا مینار۔

چائے ایک مفید دوا

پرانی کتابوں میں ایک کہانی ملتی ہے کہ تقریباً ۵۰۰۰ سال پہلے چائے کی کچھ پتیاں چین کے بادشاہ شین نوک کے ابلے ہوئے پانی کے کپ میں گر گئیں۔ پانی کے پینے پر بادشاہ نے انکشاف کیا کہ یہ بوٹی سادہ پانی کے ذائقہ میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اس جڑی بوٹی کو گردے، بخار، چھاتی کے امراض اور ٹیومرز کے لئے بھی بطور علاج تجویز کیا۔

ممکن ہے کہ شین نوک کی یہ تجویز چند قیاسات پر ہی مبنی ہو مگر آج کے جدید طبی محققین نے بھی صدیوں پرانے قائم اس خیال کی تائید کی کہ یہ ایک مفید علاج اور عمر کو بڑھانے والی بوٹی ہے۔

امریکن ہیلتھ فاؤنڈیشن کے ایک سینئر رکن ڈاکٹر جان وئسبر گر نے اپنی تحقیقات کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ چائے میں پائے جانے والے مرکبات بہت سی بیماریوں مثلاً ہارٹ اٹیک اور مختلف اقسام کے کینسرز سے بچاتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ چائے دانتوں کو گلنے سے بھی روکتی ہو۔

شاید بعض لوگوں کے لئے یہ بات اچنبھے کا باعث ہو کہ پانی کے بعد چائے دنیا میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا سیال ہے۔ ایک اندازے کے مطابق روز تقریباً ایک بلین کپ چائے استعمال ہوتی ہے۔ تاریخ میں بے شمار اقوام گزری ہیں جو چائے کو بطور دوا استعمال کرتی رہی ہیں۔ ہزاروں سال پہلے بدھ مذہب کے راہب چائے کو مذہبی مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جس طرح آج کے زمانے میں رات کو جاگنے کے لئے بعض لوگ کافی استعمال کرتے ہیں اس طرح وہ راہب رات کو عبادت کرنے سے پہلے چائے کا استعمال کرتے تھے۔

ہزاروں سال پہلے جنگلوں میں رہنے والے یہ راہب اس بوٹی کو بطور دوا جانتے بھی تھے اور استعمال بھی کرتے تھے۔ ۱۳ سو سال پہلے کا ایک واقعہ مذکور ملتا ہے کہ ایک دفعہ جاپان کا ایک سردار گون زیادہ کھانے کی وجہ سے موت کی دہلیز پر پہنچ گیا۔ تب ایک راہب نے چائے کی پتیوں کو بطور دوا تجویز کیا جس کے استعمال سے وہ فوراً صحیح ہو گیا۔

یورپ میں چائے ہالینڈ کے باشندوں نے متعارف کروائی۔ وہ اسے ۱۷ویں صدی میں چین سے لے کر آئے۔ ابتداء میں چائے صرف میڈیکل سٹورز سے ملتی تھی اور اس کا استعمال خالصتاً طبی نقطہ نظر سے کیا جاتا تھا۔ ۱۸ویں صدی میں جب انگلینڈ کی ملکہ این نے اس کو ناشتہ پر پئے جانے والے مشروب کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا تو اس کا پینا اس وقت کی عورتوں میں بطور فیشن رائج ہو گیا اور شہروں میں جابجا اس کی دوکانیں کھل گئیں۔ تب سے چائے نے ایک عوامی مشروب کی صورت اختیار کر لی۔

چائے انسانی جسم کیلئے کسطرح مفید ہے

پہلی چیز جو اس میں مفید پائی جاتی ہے وہ جراثیم سے پاک پانی ہے کیونکہ جب چائے کے لئے پانی کو ابالا جاتا ہے تو بیکٹیریا جیسے جراثیم جو سادہ پانی میں موجود ہوتے ہیں مر جاتے ہیں۔

دوسرا اس میں ایک مرکب پایا جاتا ہے جسے Polyphenoids کہتے ہیں۔ اس مرکب کا اہم جزو Flavonoids ہے جو پھلوں اور سبزیوں میں بھی یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ اس مادے کی خوبی یہ ہے کہ یہ خلیوں کو تباہ ہونے سے بچاتا ہے۔ وگرنہ خلیوں کی یہ تباہ کاری ۵۰ سے زائد بیماریوں کو جنم دیتی

ہے۔

تاہم محققین اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ کیا زیادہ چائے پینے سے شفاء کا یہ عمل رک جاتا ہے یا بڑھ جاتا ہے۔ ایک ڈچ تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ وہ آدمی جو روز چار سے پانچ کپ چائے کے پیتے ہیں ان میں فالج ہونے کے مواقع ان لوگوں کی نسبت جو نہیں پیتے ۷۰ فی صد کم ہوتے ہیں۔ یعنی چائے زیادہ مقدار میں بھی اتنی ہی مفید ہے جتنی کم مقدار میں بلکہ کچھ زیادہ۔

جان فولٹس جو ایک طبی ادارے کے ڈائریکٹر ہیں کے نزدیک چائے کے سارے فوائد Flavonoids مادے کی وجہ سے ہی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ مادہ خون میں موجود پلیٹ لیٹس کو جمنے نہیں دیتا جس کی وجہ سے ہارٹ اٹیک کا خطرہ انتہائی کم ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں جانوروں پر ہونے والی ۲۰ سے زائد تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ چائے عمل انہضام، عمل تنفس اور جلد سے متعلق کینسرز کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔ یہاں دوبارہ Polyphenoids کو ہی اس کا سبب بیان کیا جاتا ہے۔

محققین کے نزدیک سبز چائے کا استعمال "سن برن" کی بیماری سے بچانے میں معاون ثابت ہوتا ہے ورنہ یہی سن برن جلد کے کینسر تک پہنچ سکتا ہے۔

چائے کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں موجود فلورائیڈ دانتوں کو مضبوط اور صحت مند بناتا ہے۔ جاپان میں ہونے والی تحقیقات کے مطابق چائے میں بعض ایسے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں جو دانتوں کو بیماری لگانے والے بیکٹیریا کا خاتمہ کرتے ہیں۔

آخری بات کہ کتنے کپ چائے انسان کے لئے فائدہ مند ہے بعض کے نزدیک چار بعض کے نزدیک پانچ مگر یہ کوئی محقق بات نہیں۔ تحقیقات سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ چائے ایک مفید چیز ہے خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو۔ دودھ کے ساتھ یا بغیر دودھ کے، برف کے ساتھ یا گرم چائے، چائے ہی رہتی ہے بمع اپنے سب فوائد کے۔ البتہ ایک بات کا دھیان رکھنا بہت ضروری ہے کہ اس کی زیادتی بہر حال مضر ہے لہٰذا توازن اور اعتدال بہت ضروری ہے۔

اس شمارے کی تیاری کیلئے مکرم محمد احسن سعید صاحب اور مکرم راجہ برہان احمد صاحب نے خاص طور پر معاونت کی۔

فجزاھما اللہ احسن الجزاء

قارئین خالد کی خدمت میں

عید مبارک

قرارداد تعزیت

بر وفات حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب

مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان و قائدین علاقہ و اضلاع کا یہ غیر معمولی اجلاس 13 دسمبر 1997ء صدر، صدر انجمن احمدیہ و ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے انتقال پر دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ آپ کا انتقال 10 دسمبر 1997ء کو ربوہ میں چھیاسی برس کی عمر میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے بیٹے تھے۔ آپ 13، مارچ 1911ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قادیان کے سکول میں حاصل کی اور بعد ازاں لاہور کالج میں زیر تعلیم رہے۔ آپ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی صاحبزادی محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ کے ساتھ اگست 1934ء میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپکو بھرپور خدمت دین کا موقع ملا جس میں ناظر امور عامہ، ناظر زراعت، ناظر ضیافت، صدر، صدر انجمن احمدیہ، ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی جیسے اہم عہدے شامل ہیں۔ خدام الاحمدیہ میں خدمات کے حوالے سے آپکی خدمات کا آغاز 1940-41ء سے ہوا جب آپکو نائب صدر و مہتمم ذہانت و صحت جسمانی مقرر کیا گیا۔

1943-44ء میں نائب صدر و نگران اعلیٰ شعبہ صحت جسمانی، 44-45ء میں مہتمم ذہانت و صحت جسمانی، 45-46ء میں مہتمم کار خاص اور 47-48ء میں مہتمم عمومی مقرر ہوئے۔ (نوٹ:۔ 47ء میں مہتمم کار خاص کو "مہتمم عمومی" کا نام دیا گیا۔)

حضرت صاحبزادہ صاحب کو یہ خصوصی اعزاز بھی حاصل ہے کہ خلافت جوبلی جلسہ سالانہ 39ء کے موقعہ پر لوائے احمدیت کے پہلی دفعہ لہرائے جانے کے بعد اس کے اولین محافظین میں بھی آپ شامل تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو بھرپور خدمت دین کی سعادت کا ملنا، بار بار اور جان لیوا بیماریوں کے حملوں کے باوجود "خلاف توقع" آپ کا لمبی عمر پانا اور پھر امارت مقامی کے جلیل القدر مقام پر 14 برس کے طویل اور ریکارڈ عرصہ تک فائز رہنا ایک ایسی سعادت ہے جو خدا کے فضل کا ایک خوبصورت اظہار تھا۔

آپ کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کئی ایک الہامات کا مصداق مبارک وجود تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ الہامات جو آپ کے اپنے بیٹے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے بارے میں ہوئے۔ مثلاً۔ "وہ بادشاہ آیا"
"عَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّعِ"　"اَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّعِ"

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت صاحبزادہ صاحب کی وفات پر آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الہامات کو آپ کی ذات بابرکات پر چسپاں کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے کچھ الہامات تھے جو حضرت مرزا شریف احمد صاحب پر چسپاں کئے گئے میں....... شروع ہی سے یہ یقین رکھتا تھا کہ یہ الہامات اصل میں آپ کے صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے متعلق ہیں....... وہ الہامات بلاشبہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے بیٹے کے حق میں پورے ہوئے....."

حضور نے آپ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"باطل کو رد کرنے کے معاملہ میں اتنا بہادر انسان میں نے شاذ کہیں دیکھا ہو...... خلافت کے عاشق اور فدائی..... یقیناً آپ کا ایک مقام تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں سے وہ مقام بنا ہے اور ابھرا ہے اور آئندہ آنیوالی تاریخ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ کا وجود ایک مبارک وجود تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے روحانی بیٹا ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی روح ایک پاک روح تھی۔ بہت دلیر انسان، خلافت کے حق میں ایک سونتی ہوئی تلوار تھے۔ بے حد بہادر انسان تھے۔ کم اتنے بہادر انسان دیکھنے میں آتے ہیں......."

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 دسمبر 1997ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے مصداق، خوش نصیب بزرگ کی وفات پر ہمارے دل محزون ہیں۔

ہم آپ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے جملہ لواحقین سے اپنے قلبی جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کو اپنی رضا کی جنتوں کا وارث بنائے رکھے اور آپ کی اولاد اور نسلوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک الہامات کا مصداق بنائے اور ان کی تمام برکات سے بہرہ ور کرے۔ آمین الھم آمین۔

ہم ہیں

صدر مجلس و ممبران عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان و قائدین علاقہ و اضلاع

عید کارڈ اور نوجوان نسل

"یہ بہت بُرا دستور ہے ۔ احباب کو چاہئے کہ اس رسم کو ترک کردیں"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک نہایت ضروری ارشاد

عید کی آمد آمد ہے اور اس خوشی کے موقعہ پر بعض ایسے کام بھی ہم کر جاتے ہیں۔ جن میں کہ بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے اور ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہئے جو کہ خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہو۔ ان کافی ساری باتوں میں سے ایک بات عید کارڈ ہیں۔ عید کارڈ کی نسبت حضرت خلیفہ المسیح الثانی کا ایک ارشاد درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"...... یہ اسراف ہے اور بے ضرورت روپیہ ضائع کیا جاتا ہے بہتر ہو کہ لوگ اس کو (دعوت الی اللہ) میں خرچ کریں ہم نے دیکھا ہے کہ نوجوانوں اور چھوٹے بچوں میں اس کا بہت رواج ہے۔ بچے بلکہ بعض ادھیڑ حضرات بڑی بڑی قیمت کے کارڈ خرید کر پھر لفافوں میں بند کر کے دوستوں کو بھیجتے ہیں۔ یہ بہت بُرا دستور ہے احباب کو چاہئے کہ اس رسم کو ترک کردیں ...... کیونکہ یہ فضول خرچی ہے اور (دین حق) فضول خرچی کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔" (الفضل 15 ستمبر 1917ء)

"لغو کاموں سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے" (ارشاد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

رسالہ "خالد" اور "تشحیذ الاذہان" جاری کروانے کا طریق

قائد صاحب مجلس کے ذریعہ شرح کے مطابق سالانہ چندہ جمع کروا کے رسید حاصل کی جائے اور رسید پر اپنا مکمل پتہ لکھوایا جائے۔ اگر پہلے سے خریدار ہیں تو خریداری نمبر بھی درج کروائیں اور اس رسید کی فوٹو کاپی ایوان محمود ربوہ بھجوا کر ادارہ کو اطلاع کی جائے۔ قائدین اور زعماء خریداران کی رقوم اور ان کے مکمل ایڈریس ساتھ ساتھ مرکز ارسال کرتے رہیں تا ان کے نام فوری رسائل جاری کئے جا سکیں۔ یا براہ راست مینیجر رسالہ "خالد" و "تشحیذ الاذھان" ایوان محمود ربوہ کے نام چندہ خریداری بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ بھجوادیں۔ طلب کرنے پر VP بھی بھجوائی جا سکتی ہے۔ (مینیجر رسالہ "خالد" و "تشحیذ الاذھان")

توجہ کیجئے

"آپ کے چندہ کی مدت خریداری باہر ایڈریس کی چٹ پر لکھی گئی ہے۔ اپنا چندہ ختم ہونے سے قبل ہی آئندہ کیلئے چندہ بھجوادیں تا ترسیل میں کوئی وقفہ نہ ہو۔" (مینیجر)

آپ ناظر امور عامہ، ناظر زراعت، ناظر ضیافت، صدر۔ صدر انجمن احمدیہ، ناظر اعلیٰ اور تقریباً چودہ[14] سال تک کے طویل اور ایک ریکارڈ عرصہ تک امیر مقامی کے منصب پر فائز رہے اور بالآخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور الٰہی بشارتوں کا مصداق بابرکت وجود ۱۰ دسمبر ۱۹۹۷ء کو ۱۰ بجکر ۵ منٹ پر اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

تدفین

آپ کا جسدِ خاکی آپ کی رہائش گاہ واقع دارالصدر میں رکھے جانے کے بعد ربوہ کی کثیر تعداد اِس بزرگ خادمِ سلسلہ کا آخری دیدار کرنے کے لئے جمع ہو گئی بعد ازاں جس میں بیرونِ ربوہ کی بھی بھاری تعداد شامل ہو گئی۔

دارالضیافت نے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے کثرت سے باہر سے آنے والے مہمانوں کی رہائش کے لئے بطریقِ احسن ہنگامی طور پر انتظامات مکمل کئے۔ تحریکِ جدید، صدر انجمن احمدیہ، خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے گیسٹ ہاؤسز کے انتظامات بھی اپنے ہاتھ میں لے لئے اور اسی طرح مہمان خواتین کے لئے دفتر لجنہ مرکزیہ اور لجنہ بیرکس میں انتظامات کئے گئے۔

۱۲ دسمبر کو بیتِ اقصیٰ میں نمازِ جمعہ وعصر کی نماز جمع کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خصوصی ارشاد پر حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ پنجاب نے جنازہ پڑھایا۔ نمازِ جنازہ میں ربوہ اور اس کے علاوہ ملک بھر سے آنے والے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔

نمازِ جنازہ کے بعد جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ راستہ میں جگہ جگہ مستعد خدام اپنی ڈیوٹیاں سنبھالے ہوئے تھے اور ہزاروں احباب کی شمولیت کے باوجود انتہائی نظم وضبط اور سکون اور وقار کے ساتھ جنازہ بہشتی مقبرہ میں چار دیواری کے اندر لے جایا گیا۔

پہلے سے کئے گئے اعلان کے مطابق خاندان حضرت مسیح موعودؑ، ناظر صاحبان، وکلاء صاحبان تحریکِ جدید، نائب ناظران و افسران صیغہ جات، امرائے اضلاع، مربیانِ اضلاع اور مجالس عاملہ خدام الاحمدیہ و انصار اللہ اور حضرت صاحبزادہ صاحب کے دوست چار دیواری کے اندر موجود تھے۔

ساڑھے تین بجے حضرت مرزا عبدالحق صاحب نے تدفین مکمل ہونے کے بعد دعا کروائی۔

Monthly Khalid Rabwah

January 1998 Editor: Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz Regd. No. CPL-139